یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

ہمفرے کے
اعترافات

ہمفرے کے
اعترافات

COLONIZATION IDEAL

MR. HUMPHREY'S MEMOIRS

The English spy in Islamic Countries

۱

مدتوں حکومتِ برطانیہ اپنی عظیم اور مستحکم نوآبادیوں کے بارے میں فکرمند رہی اور اس کی سلطنت کے حدود نے اتنی وسعت اختیار کی کہ اب وہاں سورج بھی غروب نہیں ہوتا تھا لیکن ہندوستان، چین اور مشرقِ وسطیٰ کے ممالک اور دیگر بے شمار نوآبادیوں کے ہوتے ہوئے بھی جزیرۂ برطانیہ بہت چھوٹا دکھائی دیتا تھا۔ حکومت برطانیہ کی سامراجی پالیسی بھی ہر ملک میں یکساں نوعیت کی نہیں ہے۔ بعض ممالک میں عناں حکومت ظاہراً وہاں کے لوگوں کے ہاتھ میں ہے لیکن درپردہ پورا سامراجی نظام کارفرما ہے اور اب اس میں کوئی کسر باقی نہیں ہے کہ وہ ممالک اپنی ظاہری آزادی کھو کر برطانیہ کی گود میں چلے آئیں۔ اب ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے نوآبادیاتی نظام پر نظرِ ثانی کریں اور خاص طور سے دو باتوں پر لازمی توجہ دیں:

۱۔ ایسی تدابیر اختیار کریں جو سلطنت انگلستان کی نوآبادیوں میں اس کے عمل دخل اور قبضے کو مستحکم کریں۔
۲۔ ایسے پروگرام مرتب کریں جن سے ان علاقوں پر ہمارے اثر و رسوخ قائم ہو جو ابھی ہمارے نوآبادیاتی نظام کا شکار نہیں ہوئے ہیں۔

انگلستان کی نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت نے مذکورہ پروگراموں کو روبہ عمل لانے کے لیے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ وہ نوآبادیاتی یا نیم نوآبادیاتی علاقوں میں جاسوسی اور حصول اطلاعات کے لیے وفود روانہ کرے۔ میں نے نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت میں ملازمت کے شروع ہی سے حسن کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ خاص طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے امور کی جانچ پڑتال کے سلسلے میں اچھی کارکردگی نے مجھے وزارت خزانہ میں ایک اچھے عہدے پر فائز کیا۔ یہ کمپنی بظاہر تجارتی نوعیت کی تھی مگر درحقیقت جاسوسی کا اڈہ تھا اور اس کے قیام کا مقصد ہندوستان میں ان صورتوں یا ان راستوں کی تلاش تھی جن کے ذریعے اس سرزمین پر مکمل طور پر برطانیہ کا اثر و نفوذ قائم ہو سکے اور مشرق وسطیٰ پر اپنی گرفت مضبوط کی جا سکے۔

ان دنوں انگلستان کی حکومت ہندوستان سے بڑی مطمئن اور بے فکر تھی کیونکہ قومی، قبائلی، مذہبی اور ثقافتی اختلافات مشرق وسطیٰ کے رہنے والوں کو اس بات کی فرصت ہی کہاں دیتے تھے کہ وہ انگلستان

کے جائز اثر و رسوخ کے خلاف کوئی شورش برپا کر سکیں۔ یہی حال چین کی سرزمین کا بھی تھا۔ بدھ اور کنفیوشس جیسے مُردہ مذاہب کے پیروکاروں کی طرف سے بھی انگریزوں کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا اور ہند و چین میں کثرت سے باہمی بنیادی اختلافات کے پیشِ نظر یہ بات بعید از قیاس تھی کہ وہاں کے رہنے والوں کو اپنی آزادی اور استقلال کی فکر ہو۔ یہی وہ ایک موضوع تھا جو کبھی ان کے لیے قابل توجہ نہیں رہا تاہم یہ سوچنا بھی غیر دانشمندی ہے کہ آئندہ کے پیشِ نظر انقلابات بھی ان قوموں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کریں گے۔ پس یہ بات سامنے آئی کہ ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جن سے ان قوموں میں بیداری کی صلاحیت مفقود ہو جائے۔ یہ تدابیر طویل المیعاد پروگراموں کی صورت میں ان سرزمینوں پر جاری ہوئے جو تمام کے تمام افتراق، جہالت، بیماری اور غربت کی بنیاد پر استوار تھے۔ ہم نے ان علاقوں کے لوگوں پر ان مصیبتوں اور بدبختیوں کو وارد کرتے ہوئے بدھ مت کی اس ضرب المثل کو اپنایا جس میں کہا گیا ہے:

> "بیمار کو اس کے اپنے حال پر چھوڑ دو اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دو بالآخر وہ دوا کو پوری کڑواہٹ کے باوجود پسند کرنے لگے گا۔"

ہم نے باوجود اسکے کہ اپنے دوسرے بیمار یعنی سلطنت عثمانی سے کئی قراردادوں پر اپنے فائدہ میں دستخط کروا لیے تھے تاہم نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے ماہرین کا کہنا تھا کہ ایک صدی کے اندر ہی اس

سلطنت کا پلہ بیٹھ سکتا ہے۔ ہم نے اسی طرح ایران سے مختلف قراردادوں پر دستخط لیے۔ ہمارے جاسوس اسلامی ممالک میں عثمانیوں اور اسی طرح ایرانیوں کے زیر اثر سرگرم عمل رہے اور باوجود اس کے کہ انہوں نے انگریزی حکومت کے مقاصد میں نمایاں کامیابیاں حاصل کیں اور دفتروں کے نظام کو بگاڑ کر رشوت ستانی عام کر دی، بادشاہوں کے لیے عیش و عشرت کے سامان فراہم کیے اور اس طرح ان حکومتوں کی بنیادوں کو کسی حد تک پہلے سے زیادہ متزلزل کیا تاہم عثمانی اور ایرانی سلطنتوں کی کمزوری کو سامنے رکھتے ہوئے بھی ذیل میں بیان کیے جانے والے بعض وجوہات کی بنا پر ہم اپنے حق میں کچھ زیادہ مطمئن نہیں تھے اور وہ اہم ترین وجوہات یہ تھے :

۱۔ لوگوں میں اسلام کی حقیقی روح کا اثر و نفوذ جس نے انھیں بہادر، بے باک اور پُرعزم بنا دیا تھا اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ایک عام مسلمان، مذہبی بنیادوں پر ایک پادری کا ہم پلّہ تھا۔ یہ لوگ کسی صورت بھی اپنے مذہب سے دستبردار نہیں ہوتے تھے۔ مسلمانوں میں شیعہ مذہب کے پیروکار جن کا تعلق ایران کی سرزمین سے ہے، عقیدے اور ایمان کے اعتبار سے زیادہ محکم اور زیادہ خطرناک واقع ہوئے ہیں۔ شیعہ حضرات عیسائیوں کو نجس اور کافر مطلق سمجھتے

ہیں[1]۔ ان کے نزدیک ایک عیسائی ایسی متعفّن غلاظت کی حیثیت رکھتا
ہے جسے اپنے درمیان سے ہٹانا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ ایک
دفعہ میں نے ایک مسلمان شیعہ سے پوچھا:

"تم لوگ نصاریٰ کو حقارت کی نگاہ سے کیوں دیکھتے ہو
حالانکہ وہ لوگ خدا، رسول اور روزِ قیامت پر
ایمان رکھتے ہیں؟"

اس نے جواب دیا:

"حضرت محمّد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم صاحبِ علم اور صاحبِ
حکمت پیغمبر تھے اور وہ چاہتے تھے کہ اس انداز سے کافروں
پر دباؤ ڈالیں کہ وہ دینِ اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔"

سیاسی میدان میں بھی جب کبھی حکومتوں کو کسی فرد یا گروہ سے کھٹکا
ہوتا ہے تو وہ اپنے حریف پر سختیاں کرتی ہیں اور اسے راستے سے ہٹنے
پر مجبور کرتی ہیں تاکہ بالآخر وہ اپنی مخالفتوں سے باز آجائے اور اپنا
سرِ تسلیم خم کر دے۔ عیسائیوں کے نجس اور ناپاک ہونے سے مراد ان کی ظاہری

---

[1] یہ الزام سراسر بے بنیاد ہے اور بہ اعتبارِ اسلام تمام اہلِ کتاب
صاحبانِ ایمان ہیں:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ
يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (سورہ بقرہ۔ آیت ۱۲۱)

ناپاکی نہیں بلکہ باطنی ناپاکی ہے اور یہ بات صرف عیسائیوں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں زردتشتی بھی شامل ہیں جو قومی اعتبار سے ایرانی ہیں' اسلام انھیں بھی "ناپاک" سمجھتا ہے۔

میں نے کہا:

"اچھا! مگر عیسائی تو خدا' رسول اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس نے جواب دیا:

"ہمارے پاس انھیں کافر اور نجس گرداننے کے لیے دو دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل تو یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں محمدؐ (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں۔ ہم بھی ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ تم لوگ ناپاک اور نجس ہو اور یہ تعلق عقل کی بنیاد پر ہے" کیونکہ "جو تمھیں دکھ پہنچائے تم بھی اسے تکلیف دو۔"

دوسرے یہ کہ عیسائی انبیاءؑ مرسلینؑ پر جھوٹی تہمتیں باندھتے ہیں جو خود ایک بڑا گناہ اور ان کی بے حرمتی ہے' مثلاً وہ کہتے ہیں:

"حضرت عیسیٰؑ (نعوذ باللہ) شراب پیتے تھے' اس لیے لعنت الٰہی میں گرفتار ہوتے اور انھیں سولی دی گئی۔"

مجھے اس بات پر بڑا تاؤ آیا اور میں نے کہا:

"عیسائی ہرگز یہ نہیں کہتے۔"

اس نے کہا:

"تم نہیں جانتے "کتاب مقدس" میں یہ تمام تہمتیں وارد ہیں"

اس کے بعد اس نے کچھ نہیں کہا اور مجھے یقین تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اگرچہ میں نے سنا تھا کہ بعض افراد نے پیغمبر اسلامؐ پر جھوٹ کی نسبت دی ہے لیکن میں اس سے زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں میرا بھانڈا نہ پھوٹ جائے اور لوگ میری اصلیت سے واقف نہ ہو جائیں۔

۲- مذہب اسلام تاریخی پس منظروں کی بنیاد پر ایک حریت پسند مذہب ہے اور اسلام کے سچے پیروکار آسانی کے ساتھ غلامی قبول نہیں کرتے۔ ان کے پورے وجود میں گزشتہ عظمتوں کا غرور سمایا ہوا ہے یہاں تک کہ اپنے اس ناتوانی اور پُرفتور دور میں بھی وہ اس سے دستبردار ہونے پر تیار نہیں ہیں۔ ہم اس بات پر قادر نہیں ہیں کہ تاریخِ اسلام کی من مانی تفسیر پیش کرکے انھیں یہ بتائیں کہ تمھاری گزشتہ عظمتوں کی کامیابی ان حالات پر منحصر تھی جو اس زمانے کا تقاضا تھا مگر اب زمانہ بدل چکا ہے اور نئے تقاضوں نے ان کی جگہ لے لی ہے اور اب گزشتہ دور میں واپسی ناممکن ہے۔

۳- ہم ایرانی اور عثمانی حکومتوں کی دُور اندیشیوں، ہوشیاریوں

اور کارروائیوں سے محفوظ نہیں تھے اور ہر آن یہ کھٹکا تھا کہ کہیں وہ ہماری سامراجی پالیسیوں سے باخبر ہو کر ہمارے کیے دھرے پر پانی نہ پھیر دیں۔ یہ دونوں حکومتیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے بہت کمزور ہو چکی تھیں اور ان کا اثر و رسوخ صرف اپنی سرزمین کی حد تک محدود تھا۔ وہ صرف اپنے ہی علاقے میں ہمارے خلاف اسلحہ اور پیسہ جمع کر سکتے تھے تاہم ان کی بدگمانی ہماری آئندہ کامیابیوں کے لیے عدم اطمینان کا سبب تھی۔

۴۔ مسلمان علماء بھی ہماری تشویش کا باعث تھے۔ جامعہ الازہر کے مفتی اور ایران و عراق کے شیعہ مراجع ہمارے سامراجی مقاصد کی راہ میں ایک عظیم رکاوٹ تھے۔ یہ علماء جدید علم و تمدن اور اور نئے حالات سے یکسر بے خبر تھے اور ان کی تنہا توجہ اس جنت کے لیے تھی جس کا وعدہ قرآن نے انھیں دے رکھا تھا۔ یہ لوگ اس قدر متعصب تھے کہ اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھے۔ بادشاہ اور امراء سمیت تمام افراد ان کے آگے چھوٹے تھے۔ اہل سنّت حضرات شیعوں کی نسبت اپنے علماء سے اس قدر خوفزدہ نہیں تھے اور ہم دیکھتے ہیں کہ عثمانی سلطنت میں بادشاہ اور شیخ الاسلام کے درمیان ہمیشہ خوشگوار تعلقات برقرار رہے تھے اور علماء کا زور سیاسی حکام کے زور کے ہم پلّہ تھا لیکن شیعی ممالک میں لوگ بادشاہوں سے زیادہ

علماء کا احترام کرتے تھے۔ مذہبی علماء سے ان کا لگاؤ ایک حقیقی لگاؤ تھا لیکن حکام یا سلاطین کو وہ کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ بہرحال سلاطین اور علماء کی قدردانی سے متعلق شیعہ اور سنی نظریات کا یہ فرق نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت اور انگریزی حکومت کی شورش میں کمی کا باعث نہیں تھی۔

ہم نے کئی باران ممالک کے ساتھ آپس کی پیچیدہ دشواریوں کو دور کرنے کے سلسلے میں گفتگو کی لیکن ہمیشہ ہماری گفتگو نے بدگمانی کی صورت اختیار کی اور ہم نے اپنا راستہ بند پایا۔ ہمارے جاسوسوں اور سیاسی کارکنوں کی درخواستیں بھی سابقہ مذاکرات کی طرح ناکام رہیں لیکن پھر بھی ہم نا امید نہیں ہوئے کیونکہ ہم ایک مضبوط اور پُر شکیبا قلب کے مالک ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ نوآبادیاتی علاقوں کے وزیر نے لندن کے ایک مشہور پادری اور ۲۵ دیگر مذہبی سربراہوں کے ساتھ ایک اجلاس منعقد کیا جو پورے تین گھنٹے تک جاری رہا اور جب یہاں بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا تو پادری نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا:

"آپ لوگ اپنی ہمتیں پست نہ کریں، صبر اور حوصلہ سے کام لیں، عیسائیت تین سو سال کی زحمتوں اور دربدری کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ اور ان کے پیرو کاروں

کی شہادت کے بعد عالمگیر ہوئی۔ ممکن ہے آئندہ حضرت
عیسیٰؑ کی نظرِ عنایت ہم پر ہو اور ہم تین سو سال بعد
کافروں کو نکالنے میں کامیاب ہوں۔ پس ہم پر لازم ہے
کہ ہم اپنے آپ کو محکم ایمان اور پائیدار صبر سے مزین
کریں اور ان تمام وسائل کو بروئے کار لائیں جو مسلمان
خطوں میں عیسائیت کی ترویج کا سبب ہوں۔ اگر اس
میں ہمیں صدیوں کا عرصہ بھی گزر جائے تو گھبرانے کی
کوئی بات نہیں، آباؤ اجداد اپنی اولاد کے لیے بیج
بوتے ہیں۔"

ایک دفعہ پھر نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت میں روس، فرانس اور برطانیہ کے اعلیٰ رتبہ نمائندوں پر مبنی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ کانفرنس کے شرکاء میں سیاسی وفود، مذہبی شخصیتیں اور دیگر مشہور ہستیاں شامل تھیں۔ حسنِ اتفاق سے میں بھی وزیر سے قریبی تعلقات کی بنا پر اس کانفرنس میں شریک تھا۔ موضوعِ گفتگو اسلامی ممالک میں سامراجی نظام کی ترویج اور اس میں پیش آنے والی دشواریاں تھا۔

شرکاء کا غور و فکر اس بات میں تھا کہ ہم کس طرح مسلم طاقتوں کو درہم برہم کر سکتے ہیں اور ان کے درمیان نفاق کا بیج بو سکتے ہیں۔ گفتگو ان کے ایمان کے تزلزل کے سلسلے میں تھی۔ بعض لوگوں کا خیال

تھا کہ مسلمانوں کو اسی طرح راہ راست پہ لایا جا سکتا ہے جس طرح اسپین
کئی صدیوں کے بعد عیسائیوں کی آغوش میں چلا آیا تھا۔ کیا یہ وہی ملک
نہیں تھا جسے وحشی مسلمانوں نے فتح کیا تھا؟ کانفرنس کے نتائج زیادہ
واضح نہیں تھے۔ میں نے اس کانفرنس میں پیش آنے والے تمام واقعات
کو اپنی کتاب "عظیم مسیح کی سمت ایک پرواز" میں بیان کر دیا ہے۔

حقیقتاً مشرق سے مغرب تک پھیلاؤ رکھنے والے عظیم اور تناور
درخت کی جڑوں کو کاٹنا اتنا آسان کام نہیں۔ پھر بھی ہمیں ہر قیمت پہ
ان دشواریوں کا مقابلہ کرنا ہے کیونکہ عیسائی مذہب اسی وقت کامیاب
ہو سکتا ہے جب ساری دنیا اس کے قبضہ میں آجائے۔ حضرت عیسیٰ نے
اپنے سچے پیروکاروں کو اس جہانگیری کی بشارت دی ہے۔ حضرت
محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کامیابی ان اجتماعی اور تاریخی حالات سے
وابستہ تھی جو اس دور کا تقاضا تھا۔ ایران و روم سے وابستہ مشرق و
مغرب کی سلطنتوں کا انحطاط دراصل بہت کم عرصے میں حضرت محمد
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کامیابی کا سبب بنا۔ مسلمانوں نے ان عظیم
سلطنتوں کو زیر کیا، مگر اب حالات بالکل مختلف ہو چکے ہیں اور اسلامی
ممالک بڑی تیزی سے رو بہ زوال ہیں اور اس کے مقابلے میں عیسائی
روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ عیسائی
مسلمانوں سے اپنا بدلہ چکائیں اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ

حاصل کریں۔ اس وقت سب سے بڑی عیسائی حکومت عظیم برطانیہ کے ہاتھ میں ہے جو دنیا کے طول و عرض میں اپنا سکہ جمائے ہوئے ہے اور اب چاہتا ہے کہ اسلامی مملکتوں سے نبرد آزمائی کا پرچم بھی اسی کے ہاتھ میں ہو۔

سنہ ۱۷۱۰ء میں انگلستان کی نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت نے مجھے مصر، عراق، ایران، حجاز اور عثمانی خلافت کے مرکز استنبول[1] کی جاسوسی پر مامور کیا۔ مجھے ان علاقوں میں وہ راہیں تلاش کرنی تھیں جن سے مسلمانوں کو درہم برہم کر کے مسلم ممالک میں سامراجی نظام رائج کیا جا سکے۔ میرے ساتھ نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے نو اور بہت ہی تجربہ کار جاسوس اسلامی ممالک میں اس کام پر مامور تھے اور بڑی تندہی سے انگریز سامراجی نظام کے تسلط اور نوآبادیاتی علاقوں میں اپنے اثر و نفوذ کے استحکام کے لیے سرگرم عمل تھے۔ ان وفود کو وافر مقدار میں سرمایہ فراہم کیا گیا تھا۔ یہ لوگ بڑے مرتب شدہ نقشے اور بالکل نئی اور تازہ اطلاعات سے بہرہ مند تھے۔ ان کو امراء، وزراء، حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں

---

[1] آج کا استنبول اس وقت کا قسطنطنیہ تھا۔

اور علماء و رؤساء کے ناموں کی مکمل فہرست دی گئی تھی۔ نوآبادیاتی علاقوں کے معاون وزیر نے ہمیں روانہ کرتے ہوئے خدا حافظی کے وقت جو بات کہی وہ آج بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اُس نے کہا تھا:

"تمہاری کامیابی ہمارے ملک کے مستقبل کی آئینہ دار ہوگی لہٰذا اپنی تمام قوتوں کو بروئے کار لاؤ تاکہ کامیابی تمہارے قدم چومے"

میں خوشی خوشی بحری جہاز کے ذریعے استنبول کے لیے روانہ ہوا۔ میرے ذمے اب دو اہم کام تھے۔ پہلے ترکی زبان پر عبور حاصل کرنا جو اُن دنوں وہاں کی قومی زبان تھی۔ میں نے لندن میں ترکی زبان کے چند الفاظ سیکھ لیے تھے۔ اس کے بعد مجھے عربی زبان، قرآن، اس کی تفسیر اور پھر فارسی سیکھنا تھی۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ کسی زبان کا سیکھنا اور ادبی قواعد، فصاحت اور مہارت کے اعتبار سے اس پر پوری دسترس رکھنا دو مختلف چیزیں ہیں۔ مجھے یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ میں ان زبانوں میں ایسی مہارت حاصل کروں کہ مجھ میں اور وہاں کے لوگوں میں زبان کے اعتبار سے کوئی فرق محسوس نہ ہو۔ کسی زبان کو ایک دو سال میں سیکھا جا سکتا ہے لیکن اس پر عبور حاصل کرنے کے لیے برسوں کا وقت درکار ہوتا ہے۔ میں اس بات پر مجبور تھا کہ ان غیر ملکی زبانوں کو اس طرح سیکھوں کہ اس کے قواعد و رموز کا کوئی نکتہ فروگذاشت نہ ہو اور کوئی میرے ترک، ایرانی یا عرب ہونے پر شک نہ کرے۔

ان تمام مشکلات کے باوجود میں اپنی کامیابی کے سلسلے میں ہراساں نہیں تھا کیونکہ میں مسلمانوں کی طبیعت سے واقف تھا اور جانتا تھا کہ ان کی کشادہ قلبی، حسنِ ظن اور مہمان نواز طبیعت جو انھیں قرآن و سنت سے ورثے میں ملی تھی انھیں عیسائیوں کی طرح بدگمانی اور بدبینی پر محمول نہیں کرے گی اور پھر دوسری طرف سے عثمانی حکومت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ اب اس کے پاس انگلستان اور غیر ملکی جاسوسوں کی کارروائیاں معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور ایسا کوئی ادارہ موجود نہیں تھا جو حکومت کو ان نامطلوب عناصر سے باخبر کر سکے۔ فرمانروا اور اس کے مصاحبین پورے طور پر کمزور ہو چکے تھے۔

کئی مہینے کے تھکا دینے والے سفر کے بعد آخرکار ہم عثمانی دارالخلافہ میں پہنچے۔ جہاز سے اترنے سے قبل میں نے اپنے لیے "محمد" کا نام تجویز کیا اور جب میں شہر کی جامع مسجد میں داخل ہوا تو وہاں لوگوں کے اجتماعات، نظم و ضبط اور صفائی ستھرائی دیکھ کر محظوظ ہوا اور دل ہی دل میں کہا: آخر کیوں ہم ان پاک دل افراد کے آزار کے درپے ہیں؟ اور کیوں ان سے ان کی آسائش چھیننے پر تلے ہوئے ہیں؟ کیا حضرت عیسیٰؑ نے اس قسم کے ناشائستہ امور کی تجویز دی ہے؟ لیکن فوراً ہی میں نے ان شیطانی وسوسوں اور باطل خیالات کو ذہن سے جھٹک کر استغفار کیا اور مجھے خیال آیا کہ میں تو برطانیہ عظمیٰ کی نوآبادیاتی وزارت کا ملازم ہوں اور مجھے اپنے فرائض دیانتداری

سے انجام دینے چاہئیں اور منہ سے لگائے ہوئے ساغر کو آخری گھونٹ تک پی جاتا ہے۔

شہر میں داخلہ کے فوراً بعد ہی میری ملاقات اہل تسنن کے ایک بوڑھے پیشوا سے ہوئی۔ اس کا نام احمد آفندی تھا۔ وہ ایک برجستہ، صاحب فضل اور نیک طینت عالم تھا۔ میں نے اپنے پادریوں میں ایسی بزرگوار ہستی نہیں دیکھی تھی۔ وہ دن رات عبادت میں مشغول رہتا تھا اور بزرگی اور برتری میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی مانند تھا۔ وہ رسولِ خداؐ کو انسانیت کا مظہرِ کامل سمجھتا تھا اور آپؐ کی سنت کو اپنی زندگی کا مطمح نظر بنائے ہوئے تھا۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا نام آتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔ شیخ کے ساتھ ملاقات میں میری ایک خوش نصیبی یہ بھی تھی کہ اس نے مجھ سے ایک دفعہ بھی میرے حسب نسب اور خاندان کے بارے میں سوال نہیں کیا اور ہمیشہ مجھے محمد آفندی کے نام سے پکارتا تھا۔ جو کچھ میں اس سے پوچھتا تھا، بڑے وقار اور شرافت سے جواب دیتا تھا اور مجھے بہت چاہتا تھا۔ خاص طور سے جب اسے معلوم ہوا کہ میں غریب الوطن ہوں اور اس عثمانی سلطنت کے لیے کام کر رہا ہوں جو پیغمبرؐ کی جانشین ہے تو مجھ پر اور بھی مہربان ہو گیا (یہ وہ جھوٹ تھا جو میں نے استنبول میں اپنے قیام کی توجیہہ بیان کرتے ہوئے

شیخ کے سامنے بولا تھا)۔

اس کے علاوہ میں نے شیخ سے یہ بھی کہا تھا کہ میں بن ماں باپ کا ایک نوجوان ہوں۔ میرے کوئی بہن بھائی نہیں ہیں۔ میں بالکل اکیلا ہوں لیکن میرے والدین نے ورثہ میں میرے لیے بہت کچھ چھوڑا ہے۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ قرآن اور ترکی اور عربی زبان سیکھنے کے لیے اسلام کے مرکز یعنی استنبول کا سفر اختیار کروں اور پھر دینی اور معنوی سرمایہ کے حصول کے بعد مادی کاروبار میں پیسہ لگاؤں۔ شیخ احمد نے مجھے مبارکباد دی اور چند باتیں کہیں جنہیں میں اپنی نوٹ بک سے یہاں نقل کر رہا ہوں:

اے نوجوان! مجھ پر تمھاری پذیرائی اور احترام کئی وجوہات کی بنا پر لازم ہے اور وہ وجوہات یہ ہیں:

۱۔ تم ایک مسلمان ہو اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں[۱]۔

۲۔ تم ہمارے شہر میں مہمان ہو اور پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے:
مہمان کو محترم جانو[۲]۔

۳۔ تم طالب علم ہو اور اسلام نے طالب علم کے احترام کا حکم دیا ہے۔
تم حلال روزی کمانا چاہتے ہو اور اس پر "کاروبار کرنیوالا اللہ کا دوست ہے" کی حدیث صادق آتی ہے[۳]۔

---

[۱] إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ۔ [۲] أَكْرِمُوا الضَّيْفَ۔
[۳] اَلْكَاسِبُ حَبِيبُ اللهِ۔

اس پہلی ملاقات ہی میں شیخ نے اپنے اعلیٰ خصائل کی بنیاد پر مجھے اپناگرویدہ بنالیا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: کاش! عیسائیت بھی ان آشکار حقیقتوں سے آشنا ہوتی لیکن دوسری طرف میں یہ دیکھ رہا تھا کہ اسلامی شریعت اتنی بلند نگاہی اور بلند مقامی کے باوجود روبہ زوال ہو رہی تھی اور اسلامی حکمرانوں کی نالائقی، ظلم وستم، بدطواری اور پھر علمائے دین کا تعصّب اور دنیا کے حالات سے ان کی بے خبری انھیں یہ دن دکھا رہی تھی۔ میں نے شیخ سے کہا:

"اگر آپ کی اجازت ہو تو میں آپ سے عربی زبان اور قرآن مجید سیکھنے کا خواہشمند ہوں۔"

شیخ نے میری ہمّت افزائی کی اور میری خواہش کا استقبال کیا اور سورۂ حمد کو میرے لیے پہلا سبق قرار دیا اور بڑی گرمجوشی کے ساتھ آیتوں کی تفسیر و تاویل پیش کی۔ میرے لیے بہت سے عربی الفاظ کے تلفظ دشوار تھے اور کبھی یہ دشواری بہت بڑھ جاتی تھی۔ وہ بار بار مجھ سے کہتا تھا کہ میں عربی عبارت اس طرح تمھیں نہیں سکھاؤں گا تمہیں ہر مشکل لفظ کو دس مرتبہ تکرار کرنا ہوگا تاکہ الفاظ تمہارے ذہن نشین ہو جائیں۔

شیخ نے مجھے حروف کو ایک دوسرے سے ملانے کے طریقے سکھائے۔ مجھے قرآن کی تجوید و تفسیر سیکھنے میں دو سال کا عرصہ لگا۔ درس شروع کرنے سے پہلے وہ خود بھی وضو کرتا تھا اور مجھے بھی وضو کرنے کا حکم

دیتا تھا۔ پھر ہم قبلہ رُخ بیٹھ جاتے تھے اور درس کا آغاز ہوتا تھا۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اسلام میں اعضاء کو ایک خاص ترتیب سے دھونے کا نام وضو ہے۔ ابتداء میں منہ دھویا جاتا ہے۔ پھر پہلے سیدھے ہاتھ کو انگلیوں اور بعد میں الٹے ہاتھ سے کہنی تک دھویا جاتا ہے۔ اس کے بعد سر، گردن اور کانوں کے پچھلے حصہ کا مسح کیا جاتا ہے اور آخر میں پیر دھوئے جاتے ہیں۔

وضو کرتے وقت کلّی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا مستحب ہے۔ آداب وضو سے پہلے ایک خشک لکڑی سے دانتوں کا مسواک جو وہاں کی رسم تھی میرے لیے بہت ناگوار تھی اور میں سمجھتا تھا کہ یہ خشک لکڑی دانتوں اور مسوڑھوں کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔ کبھی کبھی میرے مسوڑھوں سے خون بھی جاری ہو جاتا تھا مگر میں ایسا کرنے پر مجبور تھا کیونکہ وضو سے پہلے مسواک کرنا سنتِ مؤکدہ ہے اور اس کے لیے بہت ثواب اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔

میں استنبول میں قیام کے دوران راتوں کو ایک مسجد میں سوتا تھا اور اس کے عوض وہاں کے خادم کو جس کا نام مروان آفندی تھا کچھ رقم دے دیتا تھا۔ وہ ایک بداخلاق، غصہ ور شخص تھا اور اپنے آپ کو پیغمبر اسلامؐ کے ایک صحابی کا ہم نام سمجھتا تھا اور اس نام پر بڑا مفتخر تھا۔ ایک بار اس نے مجھ سے کہا:

"اگر کبھی خدا نے تمہیں صاحبِ اولاد کیا تو تم اپنے

بیٹے کا نام مروان رکھنا کیونکہ اس کا شمار اسلام کے عظیم مجاہدوں میں ہوتا ہے۔

رات کا کھانا میں خادم کے ساتھ کھاتا تھا اور جمعہ کا تمام دن جو مسلمانوں کی عید اور چھٹی کا دن تھا خادم کے ساتھ گزارتا تھا۔ ہفتہ کے باقی دن ایک بڑھئی کی شاگردی میں کام کرتا تھا اور وہاں سے مجھے ایک حقیر سی رقم مل جایا کرتی تھی۔ میں آدھا دن کام کرتا تھا کیونکہ شام کو مجھے شیخ سے درس لینا ہوتا تھا اس لیے میری دہاڑی بھی آدھی ہوتی تھی۔ اس بڑھئی کا نام خالد تھا۔ دوپہر کو کھانے کے وقت وہ ہمیشہ تاریخ اسلام "خالد بن ولید" کا تذکرہ کرتا تھا اور اس کے فضائل و مناقب بیان کرتا تھا اور اسے ان اصحاب پیغمبرؐ میں گردانتا تھا جن کے ہاتھوں مخالفین اسلام نے ہزیمت اٹھائی۔ ہرچند حضرت عمرؓ سے اس کے تعلقات کچھ زیادہ استوار نہ تھے اور اسے یہ کھٹکا تھا کہ اگر خلافت انھیں ملی تو وہ اسے معزول کر دیں گے اور ایسا ہی ہوا۔

لیکن خالد بڑھئی اچھے کردار کا حامل نہ تھا تاہم اپنے دیگر شاگردوں سے کچھ زیادہ ہی مجھ پہ مہربان تھا جس کا سبب مجھے اب تک معلوم نہ ہو سکا۔ شاید اس لیے کہ میں بغیر لیت ولعل کے اس کے ہر کام کو بجا لاتا تھا اور اس سے مذہبی امور یا اپنے کام کے بارے میں کسی قسم کا کوئی بحث و مباحثہ نہیں کرتا تھا۔ کئی بار دکان خالی ہونے پر میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہا ہے۔ شیخ احمد نے مجھ سے کہا تھا کہ اغلام (بدفعلی)

اسلام میں بہت بڑا گناہ ہے لیکن پھر بھی خالد مجھ سے اس فعل کے ارتکاب پر مصر تھا۔

وہ دین و دیانت کا زیادہ پابند نہیں تھا اور درحقیقت صحیح عقیدہ اور صحیح ایمان کا آدمی نہیں تھا۔ وہ صرف جمعہ کے جمعہ نماز پڑھنے مسجد میں جایا کرتا تھا اور باقی دنوں میں اس کا نماز پڑھنا مجھ پر ثابت نہیں تھا۔ بہرحال میں نے اس کی اس بے شرمانہ ترغیب کو رد کیا لیکن کچھ دنوں بعد اس نے یہ فعلِ شنیع اپنی دکان کے ایک اور خوبرو کاریگر کے ساتھ انجام دیا جو ابھی نومسلم تھا اور یہودیت سے اسلام میں وارد ہوا تھا۔

میں روزانہ بڑھئی کی دکان میں دوپہر کا کھانا کھا کر ظہر کی نماز کے لیے مسجد میں چلا جایا کرتا تھا اور وہاں نماز عصر تک رہتا تھا۔ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر شیخ احمد کے گھر جایا کرتا تھا اور وہاں دو گھنٹے قرآن خوانی میں صرف کرتا تھا۔ قرآن کے علاوہ عربی اور ترکی زبان بھی سیکھتا تھا اور ہر جمعہ کو ہفتہ بھر کی دھاڑی زکوٰۃ کے عنوان سے شیخ احمد کے حوالے کرتا تھا اور یہ زکوٰۃ درحقیقت شیخ سے میری ارادت اور لگاؤ کا ایک نذرانہ اور شیخ کے درسِ قرآن کا ایک حقیر ساحق الزحمہ تھا۔ قرآن کی تعلیم میں شیخ کا طرز درس بے نظیر نوعیت کا تھا۔ اس کے علاوہ وہ مجھے اسلامی احکام کی مبادیات عربی اور ترکی زبان میں سکھاتا تھا۔

جب شیخ احمد کو معلوم ہوا کہ میں غیر شادی شدہ ہوں تو اس نے مجھے شادی کا مشورہ دیا اور اپنی ایک بیٹی میرے لیے منتخب کی لیکن

میں نے بڑے مؤدبانہ انداز سے معذرت چاہی اور اپنے آپ کو شادی کے ناقابل ظاہر کیا۔ میں یہ موقف اختیار کرنے پر مجبور تھا کیونکہ شیخ احمد اپنی بات پر مُصر تھا اور ہمارے تعلقات بگڑنے میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی۔ شیخ احمد شادی کو پیغمبر اسلامؐ کی سنت سمجھتا تھا اور اس حدیث کا حوالہ دیتا تھا:

"جو کوئی میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔"[1]

لہٰذا اس بہانہ کے علاوہ میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ میرے اس مصلحت آمیز جھوٹ نے شیخ کو مطمئن کر دیا اور پھر اس نے شادی سے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی اور ہماری دوستی پھر پہلی منزل پر آ گئی۔

دو سال استنبول میں رہنے اور قرآن سمیت عربی اور ترکی زبانوں کو سیکھنے کے بعد میں نے شیخ سے واپس وطن جانے کی اجازت چاہی لیکن شیخ مجھے اجازت نہیں دیتا تھا اور کہتا تھا تم اتنی جلدی کیوں واپس جانا چاہتے ہو؟ یہ ایک بڑا شہر ہے۔ یہاں تمہاری ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔ بربنائے مشیّت الٰہی استنبول میں دین اور دنیا دونوں دستیاب ہیں۔ شیخ نے اپنی گفتگو کے دوران کہا:

---

[1] مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔

"اب جبکہ تم اکیلے ہو اور تمہارے ماں باپ اور بہن
بھائی کوئی نہیں تو پھر تم استنبول کو اپنا مسکن کیوں
نہیں بناتے ؟"

بہرحال شیخ کو میرے وہاں رہنے پر بڑا اصرار تھا۔ اسے مجھ سے انس ہو گیا تھا۔ مجھے بھی اس سے بہت دلچسپی تھی مگر اپنے وطن انگلستان کے بارے میں مجھ پر جو ذمہ داریاں عائد تھیں وہ میرے لیے سب سے زیادہ اہم تھیں اور مجھے لندن جانے پر مجبور کر رہی تھیں۔ میرے لیے ضروری تھا کہ میں لندن جا کر نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کو اپنی دو سالہ کارگزاری کی مکمل رپورٹ پیش کروں اور وہاں سے نئے احکامات حاصل کروں۔

استنبول میں دو سال کی رہائش کے دوران مجھے عثمانی حکومت کے حالات پر ہر ماہ ایک رپورٹ لندن بھیجنی پڑتی تھی۔ میں نے اپنی ایک رپورٹ میں بدکردار بڑھئی کے اس واقعے کو بھی لکھا تھا جو میرے ساتھ پیش آیا تھا۔ نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت نے جواب میں مجھے یہ حکم دیا: اگر تمہارے ساتھ بڑھئی کا یہ فعل ہمارے لیے منزل مقصود تک پہنچنے کی راہ کو آسان بناتا ہے تو اس کام میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جب میں نے یہ عبارت پڑھی تو میرا سر چکرانے لگا اور میں نے سوچا ہمارے افسران کو شرم نہیں آتی کہ وہ حکومت کی مصلحتوں کی خاطر مجھے اس بے شرمی کی ترغیب دیتے ہیں۔ بہرحال میرے پاس کوئی

چارہ کار نہیں تھا اور ہونٹوں سے لگائے ہوئے اس کڑوے جام کو آخری گھونٹ تک پی جانا تھا۔ تاہم میں نے اس حکم کا کوئی نوٹس نہیں لیا اور لندن کے اعلیٰ عہدہ داروں کی اس بے مہری کی کسی سے شکایت نہیں کی۔ مجھے الوداع کہتے ہوئے شیخ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے مجھے ان الفاظ کے ساتھ رخصت کیا۔

"خدا حافظ بیٹے! مجھے معلوم ہے کہ اب جب تم لوٹ کر آؤ گے تو مجھے اس دنیا میں نہیں پاؤ گے۔ مجھے نہ بھلانا۔ انشاء اللہ روز محشر پیغمبر اسلام ؐ کے حضور ہم ایک دوسرے سے ملیں گے۔"

درحقیقت شیخ احمد کی جدائی سے میں ایک عرصہ تک آزردہ خاطر رہا اور اس کے غم میں میری آنکھیں آنسو بہاتی رہیں لیکن کیا کیا جا سکتا تھا؟ فرائض کی انجام دہی ذاتی احساسات سے ماورا ہے۔

میرے نو دیگر ساتھیوں کو بھی لندن واپس بُلا لیا گیا تھا مگر بدقسمتی سے ان میں سے صرف پانچ واپس لَوٹے تھے۔ باقی ماندہ چار افراد میں سے ایک مسلمان ہو چکا تھا اور وہیں مصر میں رہائش پذیر تھا۔ اس واقعہ کو نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے سیکرٹری نے مجھے بتایا لیکن وہ اس بات سے خوش تھا کہ مذکورہ شخص نے ان کے کسی راز کا افشاء نہیں کیا تھا۔ دوسرا جاسوس روسی نژاد تھا اور روس پہنچ کر اس نے وہیں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ سیکرٹری اس کے بارے میں بڑا فکرمند تھا۔ اسے کھٹکا تھا کہ کہیں یہ روسی نژاد جاسوس جو اب اپنی سرزمین میں پہنچ چکا ہے ہمارے راز فاش نہ کردے۔ تیسرا شخص بغداد کے قریب واقع "عمارہ" میں ہیضہ سے ہلاک ہو گیا تھا اور چوتھے کے بارے میں کوئی اطلاع موصول نہ ہو سکی تھی۔ نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کو

اس کے بارے میں اس وقت تک اطلاع رہی جب تک وہ یمن کے پایۂ تخت "صنعا" میں رہتے ہوئے مسلسل ایک سال تک اپنی رپورٹیں مذکورہ وزارت کو بھیجتا رہا لیکن اس کے بعد جب کوئی اطلاع موصول نہ ہوئی تو ہر چند کوشش کے باوجود نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کو اس کا کوئی نشان نہ مل سکا۔ حکومت ایک زبردست جاسوس کی گمشدگی کے نتائج سے اچھی طرح باخبر تھی۔ وہ ہر ملازم کے کام کی اہمیت کو بڑی باریکی کے ساتھ جانچتی تھی اور درحقیقت اس طرح کے ملازمین میں سے کسی ملازم کی گمشدگی اس سامراجی حکومت کے لیے تشویشناک تھی جو اسلامی ممالک میں غدر مچانے اور انہیں زیر کرنے کی اسکیموں کی تیاری میں مصروف ہو۔

ہمارا تعلق ایک ایسی قوم سے ہے جو آبادی کے اعتبار سے کم ہونے کے ساتھ بڑی اہم ذمہ داریوں کا بوجھ سہار رہی ہے اور تجربہ کار افراد کی کمی یقیناً ہمارے لیے شدید نقصان کا باعث تھی۔

سیکریٹری نے میری آخری رپورٹ کے اہم حصوں کے مطالعہ کے بعد مجھے اس کانفرنس میں شرکت کی ہدایت کی جس میں لندن بلائے گئے پانچ جاسوسوں کی رپورٹیں سنی جانے والی تھیں۔ اس کانفرنس میں جو وزیر خارجہ کی صدارت میں ہو رہی تھی نوآبادیاتی وزارت کے اعلےٰ عہدہ دار شرکت کر رہے تھے۔ میرے تمام ساتھیوں نے اپنی رپورٹوں کے اہم حصوں کو پڑھ کر سنایا۔ وزیر خارجہ، نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت

کے سیکریٹری اور بعض حاضرین نے میری رپورٹ کو بڑا سراہا تاہم میں اس محاسبہ میں تیسرے نمبر پر تھا۔ دو اور جاسوسوں نے مجھ سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا جن میں پہلا نمبر جی بلکوڈ G. BELCOUD اور دوسرا ہنری فانس HENRY FANSE کا تھا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ میں نے ترکی، عربی، تجوید قرآن اور اسلامی شریعت میں سب سے زیادہ دسترس حاصل کی تھی لیکن عثمانی حکومت کے زوال کے سلسلے میں میری رپورٹ زیادہ کامیاب نہیں تھی۔ جب سیکریٹری نے کانفرنس کے اختتام پر میری اس کمزوری کا ذکر کیا تو میں نے کہا:

> ان دو سالوں میں میرے لیے دو زبانوں کا سیکھنا، تفسیر قرآن اور اسلامی شریعت سے آشنائی زیادہ اہمیت کی حامل تھی اور دوسرے امور پر توجہ دینے کے لیے میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ اگر آپ بھروسا کریں تو میں یہ کسر آئندہ سفر میں پوری کر دوں گا۔

> سیکریٹری نے کہا: اس میں کوئی شک نہیں کہ تم اپنے کام میں کامیاب رہے ہو لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تم اس راہ میں دوسروں سے بازی لے جاؤ۔

اس نے یہ بھی کہا: آئندہ کے لیے تمہیں دو اہم باتوں کا خیال رکھنا ہے:

۱۔ مسلمانوں کی ان کمزوریوں کی نشاندہی کرو جو ہمیں ان تک

بھروسا کریں تو ہمیں یہ

دوں گا۔

ئی شک نہیں کہ تم اپنے

ن ہم چاہتے ہیں کہ تم اس

ے جاؤ۔

لیے تمھیں دو اہم باتوں کا خیال

ی نشاندہی کرو جو ہمیں ان تک

ایمان ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ

حضرت علیؑ کو اپنا جانشین منتخب فرمایا تھا

یکے بعد دیگرے امام اور رسول خداؐ کے برحق

میری سوچ کے مطابق حضرت علیؑ

اور امام حسینؑ کی خلافت کے بارے میں

ہیں کیونکہ اپنے مطالعات کی بنیاد پر بعض

دعوے پر دلالت کرتے ہیں۔ اس میں کوئی

وہ ہستی تھے جو ممتاز صفات کے حامل تھے

حکومت کی سربراہی کے اہل تھے۔ امام حسنؑ

بارے میں حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن ایک بل
. کا مقام تورات اور انجیل سے بڑھ کر ہے۔ قد
آداب تعلیمات اور دیگر باتوں نے اس کتاب کو
بنا دیا ہے لیکن کیا صرف یہ خصوصی فوقیت محمد
سچائی پر دلیل بن سکتی ہے ؟ میں حیران ہوں
لکھنا اور پڑھنا بھی نہ آتا ہو کس طرح ایک ایسی
کے حوالے کر سکتا ہے۔ یہ کام تو کوئی پڑھا لکھا
بھی اپنی پوری ہوشمندی کے باوجود انجام نہ
ایک صحرائی عرب بغیر تعلیم کے ایک ایسی کتاب
میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں؛ " کیا یہ کتاب

ے گزرنے کے صدیوں بعد بھی
ا اگر مسلمان حقیقتاً عقل سے کام
کے بجائے آج کے بارے میں
لاف کے موضوع کو اپنی نوآبادیاتی
یا اوران سے کہا:
دم کو سمجھتے تو ان اختلافات
د کی بات کرتے۔"
کاٹتے ہوئے کہا:

"تمھارا کام مسلمانوں کے درمیان
بھڑکانا ہے نہ یہ کہ تم انھیں ا
کی دعوت دو"

عراق جانے سے پہلے سیکریٹری نے

سے کہا:

ہمفرے! تم جانتے ہو کہ جنگ او
لیے ایک فطری امر ہیں اور جب
خلق کیا اور اس کے صلب سے
ہوئے اختلاف نے سر اٹھایا او
عیسیٰؑ کی بازگشت تک اسی طرح

[illegible]
کرو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اِن
ور ہو چکی ہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ
ف بھڑکاؤ۔ تاریخی حقائق کی بنیاد پر
ف عوام کی شورش سے وجود میں
عوام میں پھوٹ اور انتشار پڑ جاتے
ر ہو سکتی ہے۔

بصرہ پہنچ کر میں ایک مسجد میں داخل ہوا

کہ مشہور عالم شیخ عمر ظہار آئے تھے۔ میں نے انھیں

میری مشکل یہیں ختم نہیں ہوئی۔ ایک دا
مرشد آفندی نے آکر کہا: جب سے تم نے اس
کی ہے مصیبتوں نے میرا گھر دیکھ لیا ہے اور اس
نحوست ہے اس لیے کہ تم نے ابھی تک شا
کو اپنا شریک حیات نہیں بنایا ہے۔ تمھیں
یہاں سے جانا ہوگا۔
میں نے کہا: آفندی! میں شادی کے
لاؤں؟ اس دفعہ میں نے اپنے آپ کو شادی
سے احتراز کیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ مرشد
ایسے نقصان کرنے والا آدمی نہیں تھا

- جمادی الثانی

شعبان

- شوال

ذوالحجہ

وع ہوتا ہے اور ۳۰ دن سے

دن کا بھی ہوتا ہے۔

سخت گیری کے سبب مجھے وہ جگہ

نرکھان کی دکان پر اس شرط

ور کھانے کی سہولت فراہم کریگا

اور اس کے عوض مزدوری کم دے گا۔ بیہ
منتقل ہو گیا اور ترکھان کی دکان پر پہنچا
شریف اور محترم شخص تھا اور مجھ سے ا
کرتا تھا۔

عبدالرضا ایرانی الاصل شیعہ تھا
میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ا
کی۔ دوپہر کے وقت اس کے پاس بص
ہوتے تھے جو سب کے سب شیعہ تھے
گفتگو ہوتی تھی کبھی سیاست اور معید

ان چار مکاتیب فکر کی داستان بھی کچھ

پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات

میں بلند پایہ علماء کا ظہور عمل میں آیا جن میں

احمد بن حنبل، مالک بن انس اور محمد بن ادر

پیشوائی کے مقام تک پہنچے۔ عباسی خلفاء کا ز

خلفاء نے مسلمانوں پر دباؤ ڈال رکھا تھا کہ وہ

کسی کی تقلید نہ کریں اگرچہ کوئی قرآن وسنت

دسترس کیوں نہ رکھتا ہو۔ عباسی خلفاء نے ا

اعلیٰ پایہ عالم کو ان کے مقابل میں ابھرنے نہیں

نہیں کہا کہ صحابہ کرام اور ائمہ دین
وحی منزل ہیں۔ پس ہم پر واجب
سنت کی پیروی کریں۔ علماء، ا
کی رائے خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو ہم
اختلاف پر اپنے دین کو استوار نہیں ک
ایک دن اس کی ایران سے آنے و
کے دسترخوان پر جھڑپ ہو گئی۔ اس عالم ک
اسے عبدالرضا ترکھان نے اپنے پاس مہما
محمد بن عبدالوہاب سے اصولی اختلافات
جلد ہی تلخی اور ترشی کا رنگ اختیار کرلیا

ث کو ثابت کیا اور محمدؐ کو خاموش

ب نہیں تھا۔ اچانک اس نے

ہمارے لیے صرف کتاب اور

سنّت کہاں گئی؟

سی کتاب کی تفسیر و تشریح کا نام ہے

ا۔

بَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ ۔

کو مانتا ہوں۔

قمی: اچھا اگر تم سنت کے عامل ہو تو کیا پیغمبر اکرمؐ نے یہ نہیں کہا تھا: "میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں" اور کیا یہ کہہ کر پیغمبرؐ نے علیؑ اور صحابہ کے درمیان فرق قائم نہیں کیا؟

محمد: اگر ایسا ہی ہے تو پھر پیغمبرؐ کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ "میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اور ایک علیؑ بن ابیطالبؑ۔

قمی: بے شک یہ بات بھی پیغمبرؐ نے اپنے مقام پر کہی ہے کہ: "میں نے تمہارے درمیان کتاب اور اہلبیتؑ کو چھوڑا ہے"۔ بے شک علیؑ اہلبیتؑ کے سربر آوردہ افراد میں سے ہیں۔

کیا۔

حیرانی کے ساتھ ساتھ مجھے ان کی گفتگو سے بڑا مزا آرہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ محمد بن عبدالوہاب اس ضعیف العمر شیخ جواد قمیؒ کے آگے ایک ایسی چڑیا کی مانند پھڑپھڑا رہا تھا جسے قفس میں بند کر دیا گیا ہو اور اس کے پرواز کی راہ مسدود ہو گئی ہو۔

محمد بن عبدالوہاب سے میل جول اور ملاقاتوں کے ایک سلسلہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ برطانوی حکومت کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ شخص بہت مناسب دکھائی دیتا ہے۔ اس کی

اونچا اڑنے کی خواہش، جاہ طلبی، غرور، علماء و مشائخ اسلام سے اس کی دشمنی، اس حد تک خودسری کہ خلفاءِ راشدین بھی اس کی تنقید کا نشانہ بنیں اور حقیقت کے سراسر خلاف قرآن و حدیث سے استفادہ اس کی کمزوریاں تھیں جس سے بڑی آسانی سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔

میں نے سوچا کہاں یہ مغرور نوجوان اور کہاں استنبول کا وہ ترک بوڑھا آدمی (احمد آفندی)، جس کے افکار و کردار گویا ہزار سال پہلے کے افراد کی تصویر کشی کرتے تھے۔ اس نے اپنے اندر ذرا بھی تبدیلی پیدا نہیں کی تھی۔ حنفی مذہب سے تعلق رکھنے والا وہ بوڑھا شخص ابو حنیفہ کا نام زبان پر لانے سے پہلے اٹھ کر وضو کرتا تھا یا مثلاً صحیح بخاری کے مطالعہ کو اپنا فرض سمجھتا تھا جو اہل سنت کے نزدیک

بنیاد پر قرآن مجید پر گفتگو کریں۔ ہم قرآن پڑھتے اور آیات کے
بارے میں اظہار خیال کرتے۔ میرا لائحہ عمل یہ تھا کہ میں کسی طرح
اسے انگریز نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے دام میں پھنسا دوں۔

میں نے آہستہ آہستہ اس اونچی اڑان والے خود پرست انسان
کو اپنی گفتگو کی لپیٹ میں لینا شروع کیا یہاں تک کہ اس نے حقیقت
سے کچھ زیادہ ہی آزاد خیال بننے کی کوشش کی۔

ایک دن میں نے اس سے پوچھا: "کیا جہاد واجب ہے؟"

اس نے کہا: کیوں نہیں۔ خداوند عالم فرماتا ہے: "کافروں
سے جنگ کرو۔"

میں نے کہا: خداوند عالم فرماتا ہے: کافروں اور منافقوں دونوں سے جنگ کرو اور اگر کافروں اور منافقوں سے جنگ واجب ہے تو پھر پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے منافقوں سے کیوں جنگ نہیں کی؟"

محمد نے جواب دیا: "جہاد صرف میدان جنگ ہی میں نہیں ہوتا۔ پیغمبر خداؐ نے اپنی رفتار و گفتار کے ذریعے منافقوں سے جنگ کی ہے۔"

میں نے کہا: "پھر اس صورت میں کفار کے ساتھ جنگ بھی رفتار و گفتار کے ساتھ واجب ہے۔"

اس نے جواب دیا: "نہیں، اس لیے کہ پیغمبرؐ نے جنگ کے

دلیل تھی۔ اس موضوع پر اس کے خیالات درست کرکے میں نے
اس کے جنسی غریزہ کو ابھارنا شروع کیا۔ وہ ایک غیر متاہل
شخص تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: "کیا تم متعہ کے ذریعے اپنی
زندگی کو پُرمسرت بنانا چاہتے ہو؟"
محمد نے رضا و رغبت کی علامت سے اپنا سر جھکا لیا۔

لہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ. (سورۂ نساء آیت ۲۴)
۲ہ مُتْعَتَانِ كَانَتَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنَا اُحَرِّمُهُمَا وَاُعَاقِبُ عَلَيْهِمَا.

میں اپنے فرائض کے انتہائی اہم موڑ پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں بہرحال تمہارے لیے اس کا انتظام کروں گا۔ مجھے صرف اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں محمد بصرہ کے ان لوگوں سے خوف زدہ نہ ہو جائے جو اس بات کے مخالف تھے۔ میں نے اسے اطمینان دلایا کہ ہمارا پروگرام بالکل مخفی رہے گا یہاں تک کہ عورت کو بھی تمہارا نام نہیں بتایا جائے گا۔ اس گفتگو کے فوراً بعد میں اس بدقماش نصرانی عورت کے پاس گیا جو انگلستان کے نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کی طرف سے بصرہ میں عصمت فروشی پر مامور تھی اور مسلم نوجوانوں کو بے راہ روی پر ابھارتی تھی۔ میں نے اس سے تمام واقعات بیان کیے۔ جب وہ راضی ہو گئی تو میں

علاوہ یہود و نصاریٰ کی مقدس کتابوں میں صراحت سے شراب
پینے کی اجازت ہے حالانکہ یہ بھی الٰہی ادیان ہیں اور اسلام ان
ادیان کے پیغمبروں کا معتقد ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ شراب اللہ
کے بھیجے ہوئے ایک دین میں حلال اور دوسرے میں حرام ہو؟
کیا یہ سب ادیان برحق یا خدائے یکتا کے بھیجے ہوئے نہیں ہیں؟
ہمارے پاس تو یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عمر اس وقت تک شراب
پیتے رہے جب تک یہ آیت نازل نہیں ہوئی: "کیا تم شراب اور جوئے
سے دستبردار نہیں ہوگے" [1] اگر شراب حرام ہوتی تو رسول خدا

[1] فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۔ (سورۂ مائدۃ آیت ۹۱)

حضرت عمر کی شراب نوشی پر حد جاری فرماتے مگر آپ کا ان پر حد جاری
نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ شراب حرام نہیں ہے۔"
محمد جو بڑے غور سے میری گفتگو سن رہا تھا اچانک سنبھلا اور کہا:
"روایات میں ہے کہ حضرت عمر شراب میں پانی ملا کر پیتے تھے تاکہ اس
کی وہ کیفیت دُور ہو جائے جو نشہ پیدا کرتی ہے۔ وہ کہتے تھے شراب
کی مستی حرام ہے نہ کہ خود شراب۔ وہ شراب جس سے نشہ طاری
نہ ہو حرام نہیں ہے۔"
محمد، حضرت عمر کے اس نظریہ کو اس آیت کی روشنی میں درست
جانتا تھا جس میں ارشاد ہوتا ہے "شیطان چاہتا ہے کہ تمہارے
درمیان شراب اور جوئے کے ذریعے عداوت اور دشمنی پیدا کرے

شراب اور جوئے کے ذریعے دوبارہ حاصل کیا۔ اب انہیں
دو طاقتوں کے ذریعے دوسرے علاقوں کو بھی پامردی کے
ساتھ واپس لینا ہے۔"

محمد کے ساتھ مذہبی گفتگو کے دوران ایک دن میں نے روزہ
کے مسئلہ کو ہوا دی اور کہا: "قرآن کہتا ہے: روزہ تمہارے لیے
بہتر ہے"[1] اس نے یہ نہیں کہا کہ تم پر واجب ہے" لہذا اسلام
میں روزہ واجب نہیں مستحب ہے۔"

---

[1] وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۸۴)

اس موقع پر محمد کو غصہ آیا اور اس نے کہا: "تم مجھے دین سے خارج کرنا چاہتے ہو۔"

میں نے کہا: "اے محمد، دین قلب کی پاکی، جان کی سلامتی اور اعتدال کا نام ہے۔ یہ کیفیات انسان کو دوسروں پر ظلم و زیادتی سے روکتی ہیں۔ کیا حضرت عیسیٰؑ نے یہ نہیں کہا کہ مذہب عشق و وارفتگی کا نام ہے؟" کیا قرآن یہ نہیں کہتا: "یقین حاصل کرنے تک اللہ کی عبادت کرو۔"[1] اب اگر انسان یقینِ کامل کی منزل پر پہنچ جائے، خدا اور روزِ قیامت اس کے دل میں راسخ ہو جائیں، ایمان سے اسکا دل لبریز ہو جائے اور وہ اچھے سلوک کا حامل ہو تو پھر روزہ کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ اس منزل میں وہ اعلیٰ ترین انسانی مراتب سے وابستہ

قصہ مختصر، آہستہ آہستہ میں محمد کے بدن سے ایمان کا لبادہ
اتارنے میں کامیاب ہوگیا۔ میں ہر روز اس سے اپنی میٹھی گفتگو کا
سلسلہ جاری رکھتا۔ انجام کار ایک دن میں نے گفتگو کی حدود
کو جناب رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات (اقدس) تک
آگے بڑھایا۔ اچانک اس کے چہرے پر تبدیلی آئی اور وہ اس موضوع
پر گفتگو کے لیے تیار نہیں ہوا۔ اس نے مجھ سے کہا: "اگر تم نے رسول خدا
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان میں گستاخی کی تو ہماری تمہاری
وابستگی کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گے۔"
میں نے اپنی محنتوں پر پانی پھرتے دیکھا تو فوراً اپنا موضوع گفتگو

بدل دیا اور پھر اس موضوع پر گفتگو نہیں کی۔
اس دن کے بعد سے میرا مقصد محمد بن عبدالوہاب کو رہبری اور پیشوائی کی فکر دینا ہو گیا۔ مجھے اس کے قلب و روح میں اتر کر شیعہ سنی فرقوں کے علاوہ اسلام میں ایک تیسرے فرقے کی سربراہی کی پیش کش کو اسکے لیے قابل عمل بنانا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری تھا کہ پہلے میں اس کے ذہن کو بیجا مجنتوں اور اندھے تعصبات سے پاک کردوں اور اس عنوان سے اس کی آزاد خیالی اور بلند پروازی کو تقویت پہنچاؤں۔ اس کام میں صفیہ بھی میری مددگار تھی کیونکہ محمد اسے دیوانوں کی طرح چاہتا تھا اور ہر ہفتہ متعہ کی مدت کو بڑھاتا جاتا تھا۔ مختصر یہ کہ صفیہ نے محمد سے صبر و قرار اور اس کے تمام اختیارات
چھین لیے تھے

شامل ہو گیا تھا جس میں کبھی میں کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ وہاں سے
جو جوابات لکھے جاتے تھے وہ تمام کے تمام بڑے حوصلہ افزا
اور پُر امید ہوا کرتے تھے اور اپنے فرائض کی انجام دہی میں میری
ہمت بڑھاتے تھے۔ میں اور محمد نے جس راستے کا تعین کیا تھا
ہم اسے بڑی تیزی سے طے کر رہے تھے۔ میں سفر اور حضر میں
کبھی اس کو تنہا نہیں چھوڑتا تھا۔ میری کوشش یہی تھی کہ میں آزاد خیالی

ﻟﮧ حَلَالُ مُحَمَّدٍ حَلَالٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَحَرَامُ مُحَمَّدٍ حَرَامٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔

اور مذہبی عقائد میں جدت پسندی کی روح کو اس کے وجود میں استحکام بخشوں۔ میں ہمیشہ اس کو یہ آس دلاتا رہتا تھا کہ ایک تابناک مستقبل تمہارے انتظار میں ہے۔

ایک دن میں نے اس سے اپنا ایک جھوٹا خواب بیان کیا اور کہا: رات میں نے جناب ختمی مرتبت[ص] کو بالکل اسی سراپا کے ساتھ کرسی پر بیٹھے دیکھا جیسے ذاکرین اور واعظین منبروں پہ بیان کرتے رہتے ہیں۔ بڑے بڑے علماء اور بزرگان دین نے جن سے میری کوئی واقفیت نہیں تھی چاروں طرف سے ان کو گھیر رکھا تھا۔ ایسے میں، میں نے دیکھا کہ اچانک تم اس مجمع میں داخل ہو گئے۔ تمہارے چہرے سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ جب تم رسالتمآب

اسی دوران لندن سے مجھے خط پہنچا کہ میں فوراً کربلا اور نجف
کے ان مقدس شہروں کی طرف روانہ ہو جاؤں جو شیعوں کے لیے

کی نسبت عثمانی سلاطین کا احترام ایران اور ترکی کے دوستانہ روابط میں استحکام کا باعث تھا اور اس طرح دونوں ممالک میں جنگ کا کھٹکا ختم ہو جاتا تھا۔

۲۔ نجف کے اطراف و اکناف میں بہت سے قبائل آباد تھے جو سب کے سب مسلح اور سختی سے شیعہ مراجع کے پیروکار تھے۔ ان کے پاس فوجی اسلحہ اور فوجی تربیت نہیں تھی۔ یہ لوگ قبائلی زندگی کے عادی تھے لیکن علماء کی توہین برداشت نہیں کر سکتے تھے لہٰذا اگر عثمانیوں کی طرف سے علماء کی بے احترامی عمل میں آتی تو وہ سب کے سب عثمانیوں

کے خلاف متحد ہو جاتے اور یہ کوئی عقلمندی کی بات نہ تھی کہ استنبول
کی خلافت ایسا خطرہ اپنے لیے مول لیتی۔
۴۔ ساری دنیائے تشیع میں شیعہ علماء کی مرجعیت قائم تھی لہٰذا
اگر عثمانیوں کی طرف سے ذرہ برابر بھی ان کی اہانت ہوتی تو
ایران، ہندوستان، افریقہ اور دنیا کے تمام ممالک کے شیعہ برافروختہ
ہوتے اور یہ بات ترک حکومت کے حق میں نہ تھی۔
اہل تشیع کا دوسرا مقدس شہر کربلائے معلیٰ ہے۔ یہ شہر بھی
حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کے فرزند حضرت امام حسینؑ کی شہادت
کے بعد آج تک مسلسل پھیل رہا ہے۔ عراق کے لوگوں نے امام حسینؑ
کو دعوت دی کہ آپ مسلمانوں کے امر خلافت کو سنبھالنے کے لیے حجاز

کو یہ پیشکش کی کہ وہ حکومت عراق کو اپنا فرمانبردار بنانے کے لیے دجلہ و فرات کے سسٹم کو کنٹرول کرے اور شورش اور بغاوت کے موقع پر اس کے راستے کو تبدیل کرے تاکہ وہاں کے لوگ انگریزوں کے استعماری مقاصد کو ماننے پر مجبور ہو جائیں۔

میں ایک بڑے سوداگر کے بھیس میں نجف پہنچا اور وہاں کے شیعہ علماء سے رسم و راہ بڑھانے کے لیے ان کی درسی مجلسوں اور مباحثہ کی محفلوں میں شرکت کرنے لگا۔ محفلیں بیشتر اوقات مجھے اپنے اندر جذب کر لیتی تھیں کیونکہ ان میں قلب و ضمیر کی پاکی حکم فرما تھی۔ میں نے شیعہ علماء کو انتہائی پاک دامن اور پرہیزگار پایا لیکن افسوس کہ

ان میں زمانے کی تبدیلی کے اثرات کا فقدان تھا اور دنیا کے انقلابات نے ان کی فکر میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تھی۔

۱۔ نجف کے علماء اور مراجع عثمانی حکام کے شدید مخالف تھے اس لیے نہیں کہ وہ سنی تھے بلکہ اس لیے کہ وہ ظالم تھے اور عوام ان سے ناخوش تھے اور اپنی نجات کے لیے ان کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔

۲۔ وہ لوگ اپنا تمام وقت درس وتدریس اور دینی علوم ومباحث پر صرف کرتے تھے اور قرون وسطیٰ کے پادریوں کی طرح انہیں جدید علوم سے دلچسپی نہیں تھی اور اگر کچھ جانتے بھی تھے تو وہ ان کے لیے نہ جاننے کے برابر تھا۔

عقیدہ تاویل ہو گیا [illegible] کے لیے حضرت عیسیٰ کی باز[illegible] کے
قائل تھے۔ میں نے ایک عالم سے پوچھا: کیا آپ کا یہ عقیدہ نہیں
ہے کہ انہی سے ظلم و زیادتی کے خلاف رزم آرا ہو کر دنیا میں اسلام
کا بول بولا کیا جائے؟ بالکل اسی طرح جیسے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم) نے ظالموں کے خلاف جہاد کیا تھا؟

انھوں نے فرمایا: پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خدا
نے اسی کام کے لیے مامور کیا تھا اور اسی لیے ان میں اس کام کو انجام
دینے کی توانائی تھی۔

میں نے کہا: کیا قرآن یہ نہیں کہتا کہ: "اگر تم اللہ کی مدد کرو گے

تو اللہ بھی تمہارا مددگار ہوگا" [1] لہٰذا تم بھی اللہ کی طرف سے ظالموں کے خلاف تلوار اٹھانے پر مامور ہو۔

آخر کار زچ ہو کر اس نے کہا: "تم ایک تجارت پیشہ آدمی ہو اور ان موضوعات پر گفتگو کے لیے ایک سلسلۂ علم کی ضرورت ہے جس کے لیے تم مناسب نہیں ہو۔"

اب ذرا نجف کی طرف آئیں اور حضرت علیؑ کے روضے کے بارے میں گفتگو کریں۔ بڑی پرشکوہ اور باعظمت آرامگاہ ہے۔ پوری عمارت صناعی، نقاشی، آئینہ کاری اور مختلف سجادوں کا بے مثال شاہکار ہے۔ اطراف مزار بڑے بڑے پُرشکوہ کمرے، طلائی ناب کا عظیم گنبد اور سونے کے دو مینارے ایک عجیب منظر پیش کرتی ہیں۔ شبیہ

ان شہروں کی ویرانی اور آشفتہ حالی نے ہماری کامیابی کے
مواقع فراہم کر رکھے تھے ۔ لوگوں کی حالتِ زار کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا
جا سکتا تھا کہ عثمانی حکام نے ان شہروں کے رہنے والوں کے ساتھ
کن کن جرائم کا ارتکاب کیا اور کیسی کیسی زیادتیاں کیں ۔ یہ لوگ بڑے
نادان، لالچی اور خود سر تھے اور جو چاہتے تھے کر گزرتے تھے ۔ ایسا
معلوم ہوتا تھا کہ عراق کے لوگ ان کے زر خرید غلام ہیں ۔ پوری قوم
حکومت سے نالاں تھی اور جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں شیعہ
حضرات اپنی آزادی کے چھن جانے کے باوجود حکام کے
ظلم و ستم کو صبر و سکون سے سہہ رہے تھے اور کوئی ردِّ عمل ظاہر

نہیں کر رہے تھے۔ اہل سنت حضرات کا بھی یہی حال تھا۔ وہ لوگ
اپنی سرزمین پر ترک گورنر کے تسلط سے بہت ناخوش تھے خاص طور پر
جبکہ ان کی رگوں میں عرب اشرافیت کا خون دوڑ رہا تھا۔ ادھر
خاندان رسالت سے وابستگی رکھنے والے افراد حکومتی انتظامات
میں اپنے آپ کو عثمانی گورنر سے زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔
تمام بستیاں ویران تھیں۔ گرد و غبار بستی والوں کا مقدر
بن چکا تھا۔ ہر طرف بد نظمی کا دور دورہ تھا۔ راستوں پر لٹیرے قابض
تھے اور اس تاک میں بیٹھے رہتے تھے کہ حکومت کی سرپرستی سے آزاد
کوئی قافلہ وہاں سے گزرے اور وہ انھیں لوٹنا شروع کر دیں لہذا
بڑے بڑے قافلے صرف اسی وقت منزل مقصود تک پہنچ سکتے تھے

یقیناً ایک انقلاب کا پیش خیمہ تھی۔

مختصر یہ کہ میں نے کربلا اور نجف میں چار مہینے گزارے۔ نجف میں میں ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہوا کہ جینے کی آس ٹوٹ گئی۔ تین ہفتے تک میری بری حالت تھی۔ آخرکار مجھے شہر کے ایک ڈاکٹر سے رجوع کرنا پڑا۔ اس نے میرے لیے کچھ دوائیں تجویز کیں جن کے استعمال سے میں بتدریج بہتر ہوتا چلا گیا۔ اس سال گرمی بھی بڑی شدید اور ناقابل برداشت تھی اور میں نے اپنی بیماری کا تمام وقت ایک تہہ خانے میں گزارا جو کسی قدر پرسکون اور ٹھنڈا تھا۔ میرا مالک مکان میرے دیے ہوئے مختصر پیسے سے میرے لیے دوا اور

اور کھانے پینے کا انتظام کرتا تھا۔ وہ حضرت علیؑ کے زواروں کی خدمت کو تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتا تھا۔ بیماری کے ابتدائی دنوں میں میری غذا مرغ کا سوپ تھا لیکن بعد میں ڈاکٹر کی اجازت سے میں نے گوشت اور چاول بھی استعمال کرنا شروع کیا۔

بیماری سے کسی قدر افاقہ کے بعد میں بغداد روانہ ہوا اور وہاں جا کر میں نے کربلا، نجف، حلہ اور بغداد سے متعلق اپنے مشاہدات کو تقریباً سو صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ میں نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے لیے رقم کیا اور لندن بھیجنے کے لیے اسے بغداد میں مذکورہ وزارت کے نمائندہ کے سپرد کیا اور اپنے رکنے یا لندن واپس جانے سے متعلق نئے احکامات کے انتظار میں بیٹھا رہا۔

اس پر بڑی محنت کی تھی لیکن مجھے اس پر بھروسہ نہیں تھا کیونکہ وہ متلون مزاج واقع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ وہ غصے کا بھی بڑا تیز تھا اور ذرا ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہو جایا کرتا تھا۔ ان خصوصیات کے پیش نظر مجھے دھڑکا تھا کہ کہیں میری محنت اکارت نہ جائے اور جس خواہش کو میں ایک عرصے سے اپنے سینے میں لیے پھر رہا تھا اس پر پانی نہ پھر جائے۔

جس دن میں بصرہ کی سمت روانہ ہو رہا تھا وہ ترکی جانے پر مصر تھا کہ وہاں جا کر اس شہر کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ میں نے بڑی سختی سے اسے اس سفر سے باز رکھا اور کہا مجھے ڈر ہے کہ

تم وہاں جاکر کوئی ایسی الٹی سیدھی بات نہ کر بیٹھو جس سے تم پہ کفر والحاد
کا الزام عائد ہو اور تمہارا خون رائیگاں جائے لیکن سچی بات یہ تھی کہ
میں نہیں چاہتا تھا کہ وہاں جاکر وہ بعض علمائے اہلسنت سے کوئی رابطہ
قائم کرے کیونکہ اس میں اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں وہ لوگ اپنی محکم
دلیلوں کے ذریعے دوبارہ اسے اپنے جال میں نہ پھانس لیں اور میرے تمام
منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں۔

جب میں نے دیکھا کہ محمد بصرہ سے جانے پر مُصر ہے تو مجبوراً
میں نے اسے ایران جانے پر ابھارا کہ وہاں جاکر وہ شیراز اور اصفہان
کی سیر کرے۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ان دونوں شہروں

سے اب تک اس کی کوئی خبر نہیں ہے اور نہیں معلوم اس پر کیا بیتی ہوگی۔ مجھے زیادہ تشویش اس لیے بھی تھی کہ ہم نے بصرہ سے نکلتے وقت یہ طے کیا تھا کہ ہمیں واپس بصرہ ہی پہنچنا ہے اور اگر ہم میں سے کوئی وہاں نہ پہنچ سکے تو اپنی کیفیت "عبدالرضا ترکھان" کو لکھ بھیجے تاکہ دوسرا اس سے باخبر ہو مگر ابھی تک اس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔

٦

کچھ عرصے انتظار کے بعد بالآخر نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت سے
ضروری احکامات بغداد پہنچے اور میری حکومت نے مجھے فوری طور پر طلب

کے دل میں اپنے لیے جگہ پیدا کرلی ہے۔
وزیر خاص طور سے میری اس مہارت کا معترف تھا جس کی بنیاد پر میں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کو اپنے قبضے میں کرلیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس نے اپنی گفتگو کے دوران مجھ سے کہا تھا: "محمد پر تسلط نوآبادیاتی وزارت کا سب سے اہم مسئلہ تھا"۔ اس نے بڑی شدت سے یہ تاکید کی تھی کہ میں محمد کو ایک منظم منصوبے کے تحت ان امور سے آگاہ کردوں جنہیں آئندہ چل کر اسے ہمارے لیے انجام دینا ہے۔ وہ بار بار اس بات کا اعتراف کر رہا تھا کہ عظیم برطانیہ کے لیے میری تمام خدمات، شیخ محمد جیسے شخص کی جستجو اور اس پر اپنا اثر و نفوذ

قائم کرنے کے مقابلہ میں پاسنگ بھی نہیں۔ نوآبادیاتی علاقوں کے وزیر کو جب اس بات کا علم ہوا کہ میں شیخ کی گمشدگی کے بارے میں بہت پریشان ہوں تو اس نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم نے جو کچھ شیخ کو پڑھایا تھا وہ ابھی تک اسے یاد ہے اور ہمارے آدمی اصفہان میں اس سے رابطہ قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابھی تک اپنی ڈگر پر قائم ہے۔ میں نے آپ ہی آپ کہا: شیخ نے اپنے اس غرور و نخوت کے ساتھ انگریز جاسوس کو کیونکر اجازت دی ہوگی کہ وہ اس کے بارے میں معلومات فراہم کر سکیں۔ اس موضوع پر وزیر سے بات چیت کرتے ہوئے مجھے خوف محسوس ہوا کہ کہیں وہ برا نہ مان جائے۔

نشان کے حقدار ہو اور یہ وہ اعزاز ہے جسے ہماری حکومت صفِ اول
کے جاسوس کو دیا کرتی ہے۔" خدا حافظی کے موقع پر اس نے قطعی انداز
میں کہا: "میں نے سیکرٹری سے کہہ دیا ہے کہ وہ تمہیں حکومت کے بعض
"پوشیدہ" اور "رازدارانہ" مسائل سے آگاہ کرے تاکہ تم اپنی ذمہ داریوں
کو زیادہ بہتر طریقے سے انجام دے سکو۔"

وزیر کی خوشنودی کے سبب میری دس دن کی چھٹی منظور ہوئی اور
مجھے اپنی بیوی اور ایک عدد بچے سے ملنے کا موقع ہاتھ آیا۔ میرا لڑکا جو
اب تین سال کا ہو چکا تھا، بالکل میرا ہم شکل تھا اور بعض الفاظ بڑے

میٹھے انداز میں بولنے لگا تھا۔ اس نے چلنا بھی سیکھ لیا تھا۔ میں حقیقتاً
اپنے دل کے ٹکڑے کو زمین پر چلتا پھرتا محسوس کر رہا تھا۔ افسوس
کہ خوشی کے یہ لمحات بڑی تیزی سے گزر رہے تھے۔ بیوی اور بچے
کے ساتھ گزرنے والے یہ پُرمسرت لمحات واقعی ناقابل بیان ہیں
اور زندگی کی تمام لذتیں اس کے آگے ہیچ ہیں۔ میری ایک عمر رسیدہ
چچی تھی جس کی مجھ پر بچپن ہی سے نوازشات اور مہربانیاں رہی ہیں۔
میں اس سے مل کر کس قدر خوش ہوا، اس کا اندازہ کسی کو نہیں ہو سکتا۔
میری اس سے یہ آخری ملاقات تھی اس لیے کہ دس دن کی چھٹیوں کے
بعد جب میں تیسری مرتبہ اپنے سفر پر روانہ ہوا تو نہایت افسوس کے
ساتھ مجھے اس کی موت کی اطلاع ملی۔

کی کیفیت کچھ یوں تھی۔

۱۔ ہو بہو سلطنت عثمانی کا جلالت افروز پیکر جو ترکی اور انگریزی زبانوں پر بڑی مہارت سے مسلط تھا۔

۲۔ قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام کی دوسری حقیقت سے قریب تصویر۔

۳۔ شہنشاہ ایران کا زندہ مجسمہ۔

۴۔ دربار ایران کے شیخ عالم کی مکمل شبیہ۔

۵۔ نجف میں شیعوں کے مرجع تقلید کا بے مثل سراپا۔

یہ آخری تین افراد فارسی اور انگریزی زبانوں میں گفتگو کر رہے
تھے۔ سب کے نزدیک ان کے پرائیویٹ سیکریٹری بیٹھے ہوئے تھے جو
ان کی باتوں کا نوٹ بنا کر حاضرین کے لیے اس کا ترجمہ پیش کر رہے
تھے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام پرائیویٹ سیکریٹریوں کا کسی زمانے میں مذکورہ
پانچ شخصیتوں سے بہت قریب کا رابطہ رہ چکا تھا اور ان کی مکمل رپورٹ
کے تحت ان پانچ ہم شبیہ افراد کو بعینہٖ تمام عادات و خصائل کے ساتھ
ظاہری اور باطنی اعتبار سے اصلی افراد کی مکمل تصویر بنایا گیا تھا۔ یہ
پانچوں سوانگی اپنے فرائض اور مقام و منصب سے بخوبی آشنا تھے۔
سیکریٹری نے آغاز سخن کرتے ہوئے کہا: ان پانچ افراد نے اصلی شخصیتوں
کا بہروپ بھر رکھا ہے اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ کس طرح کی سوچ

میں نے پھر دوسرا سوال پوچھا: "حضور والا! یہودیوں اور عیسائیوں کی نجاست کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا یہ لوگ واقعی ناپاک ہیں؟"

اس نے کہا: "ہاں، یہ دونوں فرقے مسلماً نجس ہیں اور مسلمانوں کو ان سے دُور رہنا چاہیے۔"

میں نے پوچھا: "اس کی وجہ کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا: "یہ دراصل مساویانہ سلوک کا مسئلہ ہے کیونکہ وہ لوگ بھی ہمیں کافر گردانتے ہیں اور ہمارے پیغمبرؐ کی

تکذیب کرتے ہیں۔"

اس کے بعد میں نے پوچھا: "پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صفائی سے متعلق اتنی تاکیدات کے بعد کہ صفائی ایمان کی علامت ہے، پھر کیوں حضرت علیؑ کے صحن مطہر اور تمام بازاروں میں اس قدر گندگی پھیلی رہتی ہے؟"

مرجع تقلید نے جواب دیا: "بے شک اسلام نے صفائی اور ستھرائی کو ایمان کی دلیل جانا ہے مگر اس کو کیا کیا جائے کہ عثمانی حکومت کے عمال کی بے توجہی اور پانی کی قلت نے یہ صورت پیدا کی ہے۔"

دلچسپ بات یہ تھی کہ اس بناوٹی مرجع تقلید کی آمادگی اور

اور اولی الامر کی

اطاعت کرو۔" [1]

میں نے کہا: "اگر ہر خلیفہ اولی الامر ہے تو گویا خدا نے ہمیں یزید کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے کیونکہ وہ اس وقت کا خلیفہ تھا درآنحالیکہ اس نے مدینہ کی تاراجی کا حکم دیا تھا اور سبطِ رسولؐ حضرت امام حسینؑ کو قتل کیا تھا۔ خداوند علیم کس طرح ولید کی اطاعت کا حکم دے گا جبکہ وہ شراب خور تھا۔"

---

[1] اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (سورۂ نساء آیت ۵۹)

نقلی شیخ الاسلام نے جواب دیا: "میرے بچے! یزید اللہ کی طرف سے مومنوں کا امیر تھا لیکن قتلِ حسینؑ میں اس سے خطا ہو گئی تھی جس کے لیے بعد میں اس نے توبہ کر لی تھی۔ مدینہ میں قتل و غارتگری کا سبب وہاں کے لوگوں کی سرکشی اور یزید کی اطاعت سے انحراف تھا جس میں یزید کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اب رہ گیا ولید تو اس میں شک نہیں کہ وہ شراب پیتا تھا لیکن شراب میں پانی ملا کر پیتا تھا تاکہ اس کی مستی ختم ہو جائے اور یہ اسلام میں جائز ہے"۔[1]

میں نے کچھ عرصہ قبل استنبول میں حرمتِ شراب سے متعلق مسئلہ کو وہاں کے شیخ الاسلام شیخ احمد سے دریافت کر لیا تھا۔ اس کا جواب تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یوں ... کہ اس نقلی شیخ الاسلام کے

میں تنزل پیدا کرنے کے لیے اس طرح کے اقدامات نے انتہائی
مؤثر پائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد سیکریٹری نے مجھے ایک ہزار صفحوں
پر مشتمل ایک ضخیم کتاب مطالعہ کے لیے دی۔ اس کتاب میں اصلی اور
نقلی افراد کی گفتگو اور مناقشات کے تجزیہ اور مقابلوں کے نتائج
سے متعلق اعداد و شمار درج تھے اور مجھے حاصل شدہ نتائج کی بنیاد پر
اسلامی دنیا میں فوجی، مالی، تعلیمی اور مذہبی مسائل سے متعلق حکومت
برطانیہ کے مرتب شدہ پروگراموں سے واقفیت حاصل کرنا تھی۔
بہرحال میں کتاب گھر لے گیا اور تین ہفتے کے عرصے میں بڑی توجہ
کے ساتھ شروع سے آخر تک اس کا مطالعہ کیا اور مقررہ مدت میں

نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کو واپس دے آیا۔ کتاب واقعی بڑی محنت سے تیار کی گئی تھی۔ اس میں صاحبان علم، صاحبان سیاست اور اسلام کی دینی شخصیتوں کے عقائد و نظریات کے بارے میں اس خوبی سے بحث کی گئی تھی اور نتیجہ اخذ کیا گیا تھا کہ پڑھنے والا دنگ رہ جاتا تھا۔ ستر فیصد مباحث حقیقت پر منطبق تھے جبکہ ۳۰ فیصد میں اختلاف تھا۔ کتاب کے مطالعہ کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا کہ میری حکومت یقیناً اپنے عمل میں کامیاب ہو گی اور مذکورہ کتاب کی پیشگوئی کے مطابق سلطنت عثمانی ایک صدی سے کم عرصے میں بہر حال ختم ہو جائیگی۔

سیکریٹری سے ملنے کے بعد مجھے یہ بات معلوم ہو گئی کہ نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت میں دنیا کے تمام ممالک کے لیے خواہ وہ استعماری

د : قبائلی اختلافات۔

ہ : علماء اور حکومت کے عہدہ داروں کے درمیان غلط فہمیاں۔

۲۔ تقریباً تمام مسلمان ملکوں میں جہالت اور نادانی کی فراوانی۔

۳۔ فکری جمود اور تعصب، روزانہ کے حالات سے بے خبری، کام اور محنت کی کمی۔

۴۔ مادی زندگی سے بے توجہی، جنت کی امید میں حد سے زیادہ عبادت جو اس دنیا میں بہتر زندگی کے راستوں کو بند کر دیتی تھی۔

۵۔ خود سر فرمانرواؤں کے ظلم و استبداد۔

۶۔ امن و امان کا فقدان، شہروں کے درمیان سڑکوں اور راستوں

کا فقدان، علاج معالجے کی سہولتوں اور حفظانِ صحت کے اصولوں کا فقدان جس کی بنا پر طاعون یا اس جیسی متعدی بیماریوں سے ہر سال آبادی کا ایک حصہ موت کی نذر ہو جاتا۔

۸۔ شہروں کی ویرانی، آبپاشی کے نظام کا فقدان، زراعت اور کھیتی باڑی کی کمی۔

۹۔ حکومتی دفتروں میں بدانتظامی اور قاعدے قوانین کا فقدان، قرآن اور احکامِ شریعت کے احترام کے باوجود عملی طور پر اس سے بے توجہی۔

۱۰۔ پس ماندہ اور غیر صحت مندانہ اقتصاد۔ پورے علاقے میں عام غربت اور بیماری کا دوردورہ۔

۶۔ حدیث نبویؐ کی بنیاد پر تندرستی اور معالجہ کی تاکید۔

علوم کی چار قسمیں ہیں :

ؔ۱ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔ (سورۂ آل عمران آیت ۱۰۳)

ؔ۲ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ ۔

ؔ۳ فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ۔ (سورۂ ال عمران آیت ۱۳۷)

ؔ۴ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۰۱)

ؔ۵ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۔ (سورۂ شوریٰ آیت ۳۸)

ؔ۶ فَامْشُوْا فِىْ مَنَاكِبِهَا ۔ (سورۂ ملک آیت ۱۵)

ا: علم فقہ، دین کی حفاظت کے لیے۔
ب: علم طب، بدن کی حفاظت کے لیے
ج: علم نحو، زبان کی حفاظت کے لیے
د: علم نجوم، زمانے کی پہچان کے لیے[1]

۸۔ آبادکاری کی تاکید۔[2]
۹۔ اپنے کاموں میں نظم و ترتیب۔[3]
۱۰۔ معاشی استحکام کی تاکید۔[4]
۱۱۔ جدید ترین اسلحہ اور جنگی ساز و سامان سے لیس فوجی تنظیم کی تاکید۔[5]
۱۲۔ عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور اس کے احترام کی تاکید۔[6]

۳۔ ایمان و عقیدہ کی بنیاد پر علمائے دین سے شدید محبت اور وابستگی۔

۴۔ موجودہ خلیفہ کی نسبت عامتہ المسلمین کا احترام اور یہ عقیدہ کہ وہ پیغمبرؐ کا جانشین اور اولی الامر ہے جس کی بنا پر اس کے احکامات کی بجاآوری خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے احکامات کی بجا آوری ہے۔

۵۔ کفار کے خلاف وجوب جہاد۔

۶۔ غیر مسلموں کی ناپاکی پر مبنی اہل تشیع کا عقیدہ

۱؎ اَلنَّظَافَةُ مِنَ الْاِیْمَانِ۔

۷۔ تمام ادیان اور مذاہب پر اسلام کی بالادستی کا اعتقاد[1]
۸۔ اسلامی سرزمین پر یہودی اور نصرانی عبادت گاہوں کی تعمیر کے بارے میں شیعہ حضرات کی ممانعت۔
۹۔ جزیرۃ العرب سے تمام یہودیوں اور نصرانیوں کے انخلاء پر اکثر مسلمانوں کا اتفاق۔
۱۰۔ اشتیاق کے ساتھ نماز، روزہ اور حج کے فرائض کی انجام دہی میں مداومت۔
۱۱۔ خمس کی ادائیگی کے بارے میں اہل تشیع کا عقیدہ اور علماء کی طرف سے مستحقین کو اس رقم کی تقسیم۔
۱۲۔ ایمان و اخلاص کے ساتھ اسلام کے دینی عقائد سے دلچسپی۔

۴۰۔ شادی بیاہ "کثرتِ اولاد اور تعددِ ازواج کا" حکم ہونا۔

۴۱۔ کافروں کی ہدایت پر اتنا زور کہ اگر کوئی کسی کافر کو مسلمان کرے تو یہ کام اس کے لیے تمام دنیا کی دولت سے مفید ہوگا۔

۴۲۔ نیک عمل انجام دینے کی اہمیت: "جو کوئی کسی نیک عمل کی پیروی کرے گا اس کے لیے دو جزائیں مخصوص ہیں۔ ایک خود اس نیک عمل کی اپنی جزا اور دوسرے اس نیک عمل کو انجام دینے کی جزا۔"[1]

---

[1] مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً كَانَ لَهُ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا.

۲۴۔ قرآن وحدیث کا بے انتہا پاس و احترام اور ثواب آخرت کے لیے ان پر عمل پیرا ہونے کی شدید ضرورت۔

اسلام کے ان سرچشمہ ہائے قوت کے تذکرہ کے بعد کتاب کے اگلے ابواب میں دیانت کے ان محکم ستونوں کو کمزور بنانے کے عملی راستوں پر بڑی محکم دلیلوں کے ساتھ گفتگو کی گئی تھی۔ اس کے بعد بصورت فہرست ان اقدامات کی تاکید تھی جن کے ذریعے اسلامی دنیا کو کمزور بنایا جا سکتا تھا اور وہ یہ تھیں:

۱۔ بدگمانی اور سوءِ تفاہم کے ذریعے شیعہ اور سنی مسلمانوں میں مذہبی اختلافات پیدا کرنا اور دونوں گروہوں کی طرف سے ایک دوسرے کے خلاف اہانت آمیز اور تہمت انگیز باتیں لکھنا اور نفاق و تفرقہ

یا پھر یہ دعوٰی کہ حضرت ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ بنی امیہ
اور بنی عباس سب کے سب بالجبر تلوار کے زور سے حکومت
کے منصب پر فائز ہوئے اور بزور شمشیر حکمرانی کی یا سقیفہ کی

---

[1] ان کتابوں کے بارے میں لکھنے والے کا فیصلہ بے علمی یا بدنیتی پر مبنی ہے۔ غزالی جیسے متکلمین یا محی الدین عربی اور مولانا جلال الدین رومی جیسے عرفاء کی بیان کردہ تعلیمات عملی اخلاق کا ایک سلسلہ ہے۔ نفس کے تزکیہ و تہذیب کو گوشہ نشینی اور مردم بیزاری سے تعبیر کرنا قطعاً درست نہیں۔

[2] اَلسُّلْطَانُ ظِلُّ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ۔

کارروائی کو ایک تماشے کی صورت میں پیش کرنا جس کی ڈوری حضرت عمر نے تھام رکھی ہو اور اس بارے میں دلائل قائم کرنا جیسے حضرت علی (علیہ السلام) کے طرفداروں خاص طور پر آپ کی زوجہ حضرت فاطمہ زہرا (علیہا السلام) کا گھر جلانا نیز یہ ثابت کرنا کہ:

(۱) حضرت عمر کی خلافت، ظاہراً حضرت ابوبکر کی وصیت اور باطناً مخالفین کو ڈرا دھمکا کر عمل میں آئی۔

(۲) حضرت علی (علیہ السلام) کی مخالفت کی بنیاد پر حضرت عثمان کے انتخاب میں ایک ڈرامائی شوریٰ کی تشکیل، جو بالآخر مخالفت، شورش، خلیفہ سوم کے قتل اور حضرت علیؑ کی خلافت پر منتج ہوئی۔

مشیت اور اس کے ارادہ کے بغیر کسی ناممکن ہے اور یہ تمام
رونما ہونیوالے واقعات قضائے الٰہی ہیں۔

۸۔ اسلامی ممالک کو فقر و فلاکت میں باقی رکھنا اور ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل یا اصلاح عمل کو جاری نہ ہونے دینا۔

۹۔ فتنہ و فساد اور ہنگامہ آرائیوں کو ہوا دینا اور اس عقیدہ کو لوگوں میں راسخ کرنا کہ اسلام محض عبادت اور پرہیز گاری کا نام ہے

لہ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ (سورہ شعراء آیت ۸۰)
لہ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ (سورہ شعراء آیت ۸۱)

اور دنیا اور اس کے امور سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ حضرت ختمی
مرتبت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور ان کے جانشینوں نے کبھی
ان مسائل میں پڑنے کی کوشش نہیں کی اور سیاسی اور اقتصادی
تنظیم سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔

۱۰۔ اوپر دیئے ہوئے امور پر توجہ اقتصادی بدحالی اور غربت و بیکاری
میں اضافہ کا باعث ہو گی مگر اس کے ساتھ ساتھ پسماندگی
میں اضافہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کسانوں کے غلہ کے
ڈھیروں کو نذرِ آتش کیا جائے، تجارتی کشتیاں ڈبو دی جائیں،
تجارتی جہاز اور صنعتی مراکز میں بڑے پیمانے پر آگ بھڑکائی
جائے۔ دریاؤں کے بند توڑ کر بستیاں ویران کی جائیں اور

۱۰۔ ایسے افکار کی ترویج جو قومی، قبائلی اور نسلی عصبیتوں کو ہوا دیں اور لوگوں کو گزشتہ قوموں کی تاریخ، زبان اور ثقافت کی طرف شدت سے مائل کریں اور وہ ماقبل اسلام کی تاریخی شخصیتوں پر فریفتہ ہو جائیں اور ان کا احترام کریں مصر میں فرعونیت کا احیاء، ایران میں دین زردتشت اور بین النہرین میں بابل کی بت پرستی ان ہی کی مثالیں ہیں۔ کتاب کے اس حصے میں ایک بڑے نقشے کا بھی اضافہ کیا گیا تھا جس میں ان مراکز کی نشان دہی کی گئی تھی جن میں سابق الذکر خطوط پر عملدرآمد ہو رہا تھا۔

۲۔ شراب خوری، جوئے بازی، بدفعلی اور شہوت رانی کی ترویج، سور کے گوشت کے استعمال کی ترغیب، ان کارگزاریوں میں یہودی، نصرانی، زردشتی اور صابئی اقلیتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ہاتھ بٹانا چاہیے اور ان برائیوں کو مسلم معاشرے میں زیادہ سے زیادہ فروغ دینا چاہیے جن کے عوض نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت انھیں انعام واکرام سے نوازے گی۔ اس کام کے لیے متعدد افراد کی ضرورت ہے جو کسی بھی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور شراب، جوا، فحشا اور سور کے گوشت کو جہاں تک ہو سکے لوگوں میں مقبول بنائیں۔ اسلامی دنیا میں انگریزی حکومت کے کارندوں کا یہ فریضہ تھا کہ وہ مال ودولت

ہر ملازم کو یاد رکھنا چاہیے ۔ اس کام کے لیے دو باتوں کی اشد ضرورت ہے:

ا۔ علماء و مراجع پر الزام تراشی کرنا۔

ب۔ نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت سے منسلک بعض افراد کو علمائے دین کی صورت دینا اور انہیں الازہر یونیورسٹی، نجف، کربلا اور استنبول کے علمی اور دینی مراکز میں اتارنا، علمائے دین سے لوگوں کا رشتہ توڑنے کے لیے ایک راستا

لہ لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً (سورہ آل عمران آیت ۱۳۰)

یہ بھی ہے کہ بچوں کو نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے پروگراموں کے مطابق تربیت دی جائے۔ اس کام کے لیے ایسے اساتذہ کی ضرورت ہے جو ہمارے تنخواہ دار ہوں تاکہ وہ جدید علوم کی تدریس کے ضمن میں نوجوانوں کو علمائے دین اور عثمانی خلیفہ سے متنفر کریں اور ان کی اخلاقی برائیوں اور ظلم و زیادتیوں کو بڑی آب و تاب کے ساتھ بیان کریں اور یہ بتائیں کہ وہ کس طرح قومی سرمایہ کو اپنی عیاشیوں کی نذر کرتے ہیں اور ان میں کسی پہلو سے اسلامی جھلک نہیں پائی جاتی۔

۵۔ وجوبِ جہاد کے عقیدے میں تزلزل پیدا کرنا اور یہ ثابت کرنا کہ جہاد صرف صدرِ اسلام کے لیے تھا تاکہ مخالفوں کی سرکوبی کی جائے

(علیہما السلام) کی بھی یہی تمنا ہے کہ "پروردگار ہم دونوں کو اطاعت[3] کے زمرہ میں اور ہمارے خاندان کو امت مسلمہ قرار دے[5]"۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) اپنے فرزندوں سے کہتے ہیں: "نہ مرنا مگر

---

[1] وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔
(سورۂ مائدہ آیت ۵)

[2] تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا۔ (سورۂ یوسف آیت ۱۰۱)

[3] رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (سورۂ بقرہ آیت ۱۲۸)

حالتِ اسلام میں[1]"

۸۔ دوسرا اہم موضوع کلیساؤں اور کنیساؤں کی تعمیرات کے اسباب سے متعلق ہے۔ قرآن، حدیث اور تاریخِ اسلام کی روشنی میں لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ اہل کتاب کی عبادت گاہیں محترم ہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے: "اگر خداوند عالم لوگوں کو منع نہ فرماتا تو لوگ نصاریٰ کے کلیساؤں، یہودیوں کے کنیساؤں اور زرتشتیوں کے آتشکدوں کو تباہ وبرباد کر دیتے ہیں[2]" اس آیت سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام میں عبادت گاہیں محترم ہیں اور انہیں ہرگز نقصان نہیں پہنچایا جاسکتا۔

۹۔ دینِ یہود سے انکار پر مبنی چند حدیثیں جنابِ رسالتمآب (صلی اللہ

خمس کا تعلق لین دین، تجارتی اور کاروباری منافع سے نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اس بات سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے کہ اس مد میں رقم کی ادائیگی پیغمبرِ اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور اماموں (علیہم السلام) کے زمانے میں واجب تھی لیکن اب علمائے دین کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے اس رقم کو حاصل کریں خاص طور پر جبکہ یہ لوگ اس رقم سے ذاتی فائدے حاصل کرتے ہیں اور اپنے لیے بھیڑ بکریاں، گلے، گھوڑے، باغات اور محلات خریدتے ہیں۔ اس اعتبار سے شرعاً خمس کی رقم ان کے لیے جائز نہیں ہے۔

لطیف آباد، یونٹ نمبر ۸۔ C1

۱۲- لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لیے یہ ظاہر کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام فتنہ و فساد اور ابتری اور اختلافات کا دین ہے اور اس کے ثبوت میں اسلامی ممالک میں رونما ہونیوالے واقعات کو پیش کرنا چاہیے۔

۱۳- اپنے آپ کو تمام گھرانوں میں پہنچا کر باپ، بیٹوں کے تعلقات کو اس حد تک بگاڑا جائے کہ بزرگوں کی نصیحت بے اثر ہو جائے اور لوگ آمریت کی تہذیب و تمدن کا شکار ہو جائیں۔ اس صورت میں ہم نوجوانوں کو ان کے دینی عقائد سے منحرف کر کے انھیں علماء سے دور رکھ سکتے ہیں۔

کی آرائشات پر توجہ دینا بدعت اور خلاف شرع ہے اور ختمی
مرتبت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ میں مُردہ پرستی اور
اس قسم کی باتیں رائج نہیں تھیں۔ آہستہ آہستہ ان قبروں کو
مسمار کر کے لوگوں کو ان کی زیارت سے روکا جائے۔ اسی
سلسلے میں ایک مفید پروگرام یہ بھی ہے کہ ان مراکز کی اصلیت
کے بارے میں لوگوں کو مشتبہ کیا جائے۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ حضرت
ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسجد النبی میں مدفون نہیں
ہیں بلکہ اپنی والدہ گرامی کی قبر میں سو رہے ہیں اور اسی طرح
تمام بزرگان دین کے بارے میں کہا جائے کہ وہ ان مقامات

پر نہیں ہیں جن مقامات کو ان سے منسوب کیا گیا ہے۔ حضرت
ابوبکر و عمر دونوں جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ حضرت عثمان
کی قبر کا کہیں پتا نہیں ہے۔ حضرت علی (علیہ السلام) کی آرامگاہ
بصرہ میں ہے اور وہ قبر جو نجف اشرف میں مسلمانوں کی
زیارت گاہ ہے درا صل اس میں مغیرہ بن شعبہ دفن ہیں۔
امام حسین (علیہ السلام) کا سر اقدس مسجد "حنانہ" میں دفن
ہے اور آپ کے جسدِ اقدس کی تدفین کے بارے میں صحیح
اطلاع نہیں ہے۔ کاظمین کی مشہور زیارت گاہ میں امام موسیٰ
کاظم (علیہ السلام) اور امام تقی (علیہ السلام) کے بجائے
دو عباسی خلیفہ دفن ہیں۔ مشہد میں امام رضا (علیہ السلام)

[illegible]

مجالس عزا میں جانے سے روکنے کی کوشش کی جائے اور
اور عزاداری کو بتدریج ختم کیا جائے۔ اس کام کے لیے
امام بارگاہوں کی تعمیر اور علماء و ذاکرین کے انتخاب کی
شرائط کو سخت بنایا جائے۔

۱۹- آزاد خیالی اور چون و چرا والی کیفیت کو مسلمانوں کے اذہان
میں راسخ کرنا چاہیے تاکہ ہر آدمی آزادانہ طور پر سوچنے کے
قابل ہو اور ہر کام اپنی مرضی سے انجام دے۔ امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر واجب نہیں۔ احکام شریعت کی ترویج کا

عمل متروک ہونا چاہیے۔ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب سمجھا جائے تو یہ کام بادشاہوں کا ہے۔ عوام الناس کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

۲۰۔ نسل کو کنٹرول کیا جائے اور مردوں کو ایک سے زیادہ بیوی اختیار کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ نئے قوانین وضع کر کے شادی کے مسئلہ کو دشوار بنایا جائے مثلاً کسی عرب مرد کو ایرانی عورت اور ایرانی مرد کو عرب عورت سے شادی کی اجازت نہ دی جائے۔ اس طرح ترک، ایرانیوں سے شادی نہیں کر سکیں گے۔

۲۱۔ اسلامی تعلیم کی آفاقیت کے مسئلہ کو محکم دلائل سے رد کیا جائے

میں پڑھنے سے پرہیز کریں۔ دوسرا مسئلہ احادیث و روایات
میں تشکیک پیدا کرنا ہے اور قرآن کی طرح اس میں بھی
تحریف و ترجمے سے کام لینا ہے۔

مختصر یہ کہ اس دوسری کتاب میں بھی مجھے بڑی کارآمد چیزیں
دکھائی دیں۔ اس کتاب، کا نام "اسلام کو کیونکر صفحۂ ہستی سے
مٹایا جائے" رکھا گیا تھا۔ اس میں وہ بہترین عملی پروگرام مرتب
تھے جن پر مجھے اور میرے دیگر ساتھیوں کو کام کرنا تھا۔ اس کتاب
نے مجھ پر بڑا اثر قائم کیا تھا۔ کتاب کے مطالعے کے بعد میں اسے
واپس کرنے نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت پہنچا جہاں دوسری مرتبہ

سیکریٹری سے میری ملاقات ہوئی۔ اس نے مجھے مخاطب کرکے کہا:

"جن امور کو تمہیں انجام دینا ہے اس میں تم اکیلے نہیں ہو بلکہ تقریباً پانچ ہزار سچے اور کھرے افراد مختلف گردہوں کی صورت میں تمام اسلامی ممالک میں تمہاری مدد کے لیے آمادہ ہیں۔ نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کا خیال ہے کہ وہ کام کی پیشرفت کے ساتھ ساتھ ان افراد کی تعداد میں اضافہ کرکے انھیں ایک لاکھ تک پہنچا دے۔ جب بھی ہمیں اس عظیم گروہ کی تشکیل میں کامیابی ہوئی یقیناً ہم تمام عالمِ اسلام پر چھا جائیں گے اور اسلامی آثار کو مکمل طور پر مٹا دیں گے۔"

سے بھی دریغ نہیں کریں گے مگر یہ اس صورت میں ہوگا جب
ہم اسلامی حکومتوں پر پوری طرح چھا جائیں گے اور کچھ عناصر
ہماری مخالفت پر کمربستہ ہو کر میدان میں اتر آئیں گے۔
اس میں کوئی شک نہیں کہ استنبول کے حکمران بڑی ہوشمندی
اور فطانت کے مالک ہیں اور اتنی جلد ہمیں اپنے پروگراموں
میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے لیکن ہمیں ابھی سے متوسط طبقے
کے بچوں کو ان اسکولوں میں تربیت دینا ہے جو ہم نے ان
کے لیے قائم کیے ہیں۔ ہمیں ان علاقوں میں متعدد چرچ بھی

بنانے ہیں۔ شراب، جوا اور شہوت رانی کو اس طرح پھیلانا ہے کہ
نوجوان نسل دین و مذہب کو بھول جائے۔ ہمیں اسلامی ممالک
کے حکمرانوں کے درمیان اختلافات کی آگ کو بھی ہوا دینا ہے۔
ہر طرف ہرج مرج اور فتنہ و فساد کا بازار گرم کرنا ہے۔ ارکان
حکومت اور صاحبان ثروت کو حسین و جمیل اور شوخ و چنچل
عیسائی عورتوں کے دام میں پھنسانا ہے اور ان کی محفلوں کو
ان پری وشوں سے رونق بخشنا ہے تاکہ وہ آہستہ آہستہ اپنے
دینی اور سیاسی اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ لوگ ان سے
بدظن ہو جائیں اور اسلام کے بارے میں ان کا ایمان کمزور
ہو جائے جس کے نتیجہ میں علماء، حکومت اور عوام کا اتحاد

ہے جس کے انتظار میں تھا اور یہ وہ قرارداد تھی جو حکومت برطانیہ کے اعلیٰ عہدہ داروں نے منظور کی تھی۔ پچاس صفحات پر مشتمل یہ قرارداد نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کی اس سیاست کی آئینہ دار تھی جس کے ذریعے اسلام اور اہل اسلام کو ایک صدی کے اندر اندر نابود کرنا تھا۔ اس رسالہ کی پیشین گوئی کے مطابق اس عرصے کے بعد اسلام ساری دنیا سے رخصت ہو جائے گا اور صرف تاریخ میں اس کا نام باقی رہ جائے گا۔ اس بات کی سختی سے تاکید کی گئی تھی کہ ۱۴ نکاتی قرارداد کے مضمون کو صیغۂ راز میں رکھا جائے اور یہ کسی عنوان سے ظاہر نہ ہونے پائے کیونکہ اس بات کا خطرہ تھا کہ مسلمانوں کو اس کی

خبر ہو جائے اور وہ اس کی چارہ جوئی میں اٹھ کھڑے ہوں۔ تاہم مختصر طور پر اس کا مواد کچھ یوں تھا:

۱۔ تاجکستان، بخارا، ارمنستان، شمالی خراسان اور ما وراء النہر اور روس کے جنوب میں واقع مسلم آبادیوں پر اختیار حاصل کرنے کے لیے سلطنت روس سے وسیع پیمانے پر اشتراک عمل، اس کے علاوہ ایران کے سرحدی شہروں ترکستان اور آذربائیجان پر تسلّط حاصل کرنے کے لیے روس کے ساتھ اشتراکِ عمل۔

۲۔ اسلامی حکومتوں کو اندرونی اور بیرونی اعتبار سے پوری طرح تباہ کرنے کے لیے ایک منظم پروگرام کی تشکیل میں روس اور فرانس کے سلاطین کے ساتھ اشتراک عمل۔

۵۔ ہندوستان کی طرح ایرانی اور عثمانی حکومتوں میں بھی چھوٹی
چھوٹی ریاستوں کا قیام عمل میں آئے اور پھر پھوٹ ڈالو اور
حکومت کرو یا بہتر الفاظ میں: "پھوٹ ڈالو اور مٹا دو"
کے قانون پر عمل کرتے ہوئے انھیں ایک دوسرے سے بھڑا
دیا جائے۔ اس صورت میں ایک طرف وہ آپس میں دست و
گریباں ہوں گے اور دوسری طرف مرکزی حکومت سے بھی
ان کے تنازعہ کا سامان فراہم رہے گا۔

۶۔ ایک سوچے سمجھے منظم منصوبے کے تحت اسلامی دنیا میں لوگوں
کے افکار سے ہم آہنگی رکھنے والے من گھڑت عقائد و مذاہب

کی تبلیغ مثلاً ائمہ اہلبیت (علیہم السلام) سے بے انتہا عقیدت و
احترام رکھنے والے شیعوں کے لیے حسین اللّٰہی مذہب، امام جعفر صادق
(علیہ السلام) کی ذات سے متعلق شخصیت پرستی، امام علی رضا
(علیہ السلام) اور امام غائب (حضرت مہدی موعود عجل اللہ تعالیٰ
فرجہ الشریف) کے بارے میں مبالغہ آرائی اور ہشت امامی فرقہ
کی ترویج۔ ہر ہر مذہب کے لیے اس کے مناسب ترین مقام
کی یہ صورت ہوگی: حسین اللہ فرقہ (کربلا) امام جعفر صادق
کی پرستش (اصفہان)، امام مہدی (علیہ السلام) کی پرستش
(سامرہ) اور ہشت امامی مذہب (مشہد)۔ ان جعلی مذاہب
کی تبلیغ و ترویج کا دائرہ صرف شیعہ مذہب

رواج پاکر عربی زبان بولنے والے قبائل میں اترائیں اور فصیح عربی زبان کی جگہ اختیار کریں۔ اس طرح اہل عرب کا قرآن اور سنت کی زبان سے رشتہ ٹوٹ جائے گا۔

۱۰۔ حکومتی دفاتر میں مشیروں اور ماہروں کی حیثیت سے برطانوی عمال اور جاسوسوں کی تعیناتی میں اضافہ، اس طرح اسلامی ممالک کے وزراء اور امراء کے فیصلوں میں ہمارا رنگ شامل رہے گا۔ اس مقصد تک پہنچنے کے لیے سب سے بہتر راستا یہ ہوگا کہ پہلے ہم ذہین اور معتمد غلاموں اور کنیزوں کو تعلیم و تربیت دیں اور پھر انھیں حکمرانوں، شاہزادوں، وزیروں، امیروں اور

اہم درباری عہدوں پہ فائز باثر افراد کے ہاتھوں بیچ دیں۔ یہ غلام اپنی صلاحیتوں اور فہم و فراست کی بنیاد پر ان کے نزدیک اپنا مقام پیدا کریں گے اور آہستہ آہستہ انہیں مشاورکا مقام حاصل ہو جائے گا۔ اس طرح مسلم رجال میں ان کا ایک انمٹ نقش قائم ہو جائے گا۔

۱۱۔ مسلمانوں کے مختلف طبقوں خاص طور پہ ڈاکٹروں، انجینئروں، حکومت کے مالی امور سے وابستہ عہدہ داروں اور ان جیسے دیگر روشن فکر افراد میں مسیحیت کی تبلیغ و ترویج، کلساؤں، خصوصی اسکولوں اور کلیسا سے وابستہ شفا خانوں کی تعداد میں اضافہ، تبلیغاتی کتب و رسائل کی نشر و اشاعت اور متوسط

آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے اسلامی ممالک میں اندرونی اور
بیرونی طور پر شورشیں پیدا کرنا اور مسلمانوں کو ایک دوسرے
یا پھر دیگر ادیان کے پیروکاروں سے بھڑائے رکھنا۔ قومی
دولت، مالی ذخائر اور فکر و فہم کی قوتوں کو تباہی سے
دوچار کرنا، مسلمانوں میں روحِ عمل اور ولولہ انگیزی کو ختم کرنا
اور ان میں انتشار پیدا کرنا۔

۱۴۔ اسلامی ممالک کے اقتصادی نظام کو درہم برہم کرنا جس میں
زراعت اور آمدنی کے تمام ذرائع شامل ہیں۔ اس مقصد کو

پورا کرنے کے لیے بندوں میں شگاف پیدا کرنا' دریاؤں میں
ریت کی سطح اونچی کرنا' لوگوں میں سستی' سہل انگاری اور
تن آسانی کو فروغ دینا' پیداوار اور تولیدی امور کی طرف
سے لوگوں کی بے توجہی کو تقویت دینا اور عوام کو منشیات کا
عادی بنانا ضروری ہے۔

اس بارے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مذکورہ ۱۴ نکات
انتہائی شرح وبسط کے ساتھ ضبط تحریر میں لائے گئے تھے اور ان
کے ساتھ نقشے ، علامتیں اور تصویریں بھی تھیں۔ میں نے یہاں
اشارتاً ان کی نشاندہی کی ہے۔

مختصر یہ کہ نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے سیکریٹری سے اس

اور اس کی حمایت اور تحفظ کا بھرپور انتظام کیا جائے
کیونکہ اس کی دعوت کے ظاہر ہوتے ہی ہر طرف سے
اسے ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی اور خطرناک صورتوں
میں اس پہ حملے کیے جائیں گے۔"
حکومت برطانیہ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کو اسلحے سے اچھی طرح
لیس کرنے کے بعد ضرورت کے موقع پر اس کی مدد کی تائید کی تھی اور
شیخ ہی کی مرضی کے مطابق جزیرۃ العرب میں واقع نجد کے قریب
علاقے کو اس کی حاکمیت کا پہلا مقام قرار دیا تھا۔
بہرحال شیخ کی موافقت کی خبر سن کر میری خوشی کی کوئی انتہا

نہ رہی اور میں نے سیکریٹری سے صرف یہ سوال کیا کہ میری آئندہ کی ذمہ داریاں کیا ہوں گی؟ مجھے اس کے بعد کیا کرنا ہوگا اور شیخ سے کس قسم کا کام لینا ہوگا۔ نیز یہ کہ میں اپنے فرائض کا کہاں سے آغاز کروں؟

سیکریٹری نے جواب دیا: نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت نے تمہارے وظائف کو بڑی وضاحت سے متعین کیا ہے اور وہ ان امور کا انتقاء ہے جسے شیخ کو تدریجاً انجام دینا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ اس کے مذہب میں شمولیت اختیار نہ کرنے والے مسلمانوں کی تکفیر اور ان کے مال، عزت اور آبرو کی بربادی کو روا سمجھنا
اس ضمن میں گرفتار کیے جانے والے مخالفین کو بردہ فروشی کی مارکیٹ میں کنیز و غلام کی حیثیت سے بیچنا۔

وہ کہیں اس پروگرام کی دشواریاں تمہیں گھبراہٹ میں
مبتلا نہ کردیں۔ ہم سب کا یہ فرض ہے کہ اسلام کی
تباہی کا بیج اس سرزمین میں بکھیردیں تاکہ ہماری آئندہ
آنے والی نسل ہماری اس راہ پر آگے بڑھے اور کسی
فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ سکے۔ برطانیہ کی حکومت ہماری
اس صبر آزما دراز مدت کوششوں سے واقف ہے۔
کیا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یک و تنہا اپنے اس
تباہ کن انقلاب کو برپا نہیں کیا۔ محمد بن عبدالوہاب بھی
(نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرح ہمارے

پیشِ نظر انقلاب کو شعلہ ور کر سکے گا۔"

اس ملاقات کے کچھ دن بعد میں نے وزیر اور سیکریٹری سے سفر
کی اجازت مانگی اور پھر گھر والوں اور دوستوں کو وداع کیا۔ گھر سے
باہر نکلتے ہوئے میرے چھوٹے لڑکے نے ملتمسانہ لہجے میں کہا: "بابا
جلدی گھر آئیے گا" اس کے اس جملے نے میری آنکھیں چھلکا دیں
اور میں ان اشکوں کو اپنی بیوی سے نہ چھپا سکا۔ رخصت کے آخری
مراسم طے کر کے میں آمادۂ سفر ہوا۔

ہمارا جہاز بصرہ کی سمت روانہ ہوا۔ بڑے دشوار اور سخت سفر
کے بعد رات کے وقت میں بصرہ پہنچا اور سیدھا عبدالرضا ترکھان
کے گھر پہنچا۔ وہ بیچارہ سو رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بہت خوش ہوا اور

یہاں یہ بھی بتانا ضروری ہوگا کہ اس مقام پر شیخ کی دعوت کا سامان
فراہم کرنے میں ہمیں دو سال کا عرصہ لگا۔ سنہ ۱۱۴۳ھ کے اواسط میں
محمد بن عبد الوہاب نے جزیرۃ العرب میں اپنے نئے دین کے اعلان کا
حتمی ارادہ کیا اور اپنے دوستوں کو اکٹھا کیا جو اس کے ہم خیال تھے
اور اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کرچکے تھے۔ ابتدا میں صرف اپنے خاص
اصحاب اور مریدوں کے دائرہ میں چند مبہم اور غیر واضح الفاظ میں
بڑے اختصار کے ساتھ اس دعوت کا آغاز ہوا لیکن کچھ عرصے بعد
نجد کے ہر طبقۂ خیال کے افراد کو بڑے پیمانے پر دعوت نامے بھیجے گئے۔
آہستہ آہستہ ہم نے پیسہ کے زور پر شیخ کے اطراف اس کے افکار کی

حمایت میں ایک بڑا مجمع اکٹھا کیا اور انھیں دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کی تلقین کی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جزیرۃ العرب میں شیخ کی دعوت کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ اس کے دشمنوں اور مخالفوں کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔

جلد ہی رکاوٹوں اور دشمنیوں کا سلسلہ اس منزل تک پہنچا کہ شیخ کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ خاص طور پر نجد میں اس کے خلاف بڑی خطرناک باتیں پھیلی ہوئی تھیں۔ میں نے بڑی قاطعیت کے ساتھ اسے جمے رہنے کی ترغیب دی اور اس کے ارادے کو سست نہیں ہونے دیا۔ میں ہمیشہ اس سے کہتا تھا: "بعثت کے ابتدائی دنوں میں اللہ کے رسول حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دشمن تمہارے دشمنوں

نہیں دیا۔ ان میں سے ایک مکہ پر تصرف حاصل کرنے کے بعد خانہ کعبہ کا
انہدام تھا۔ شیخ کے نزدیک یہ ایک بیہودہ اور خطرناک کام تھا کیونکہ اہلِ
اسلام اتنی جلدی اسکے دعوے کو تسلیم کرنیوالے نہیں تھے اور یہی صورت حج
کو بت پرستی قرار دینے کی تھی اور دوسرا امر جو اسکے بس سے باہر تھا وہ ایک
جدید قرآن کی نگارش تھی۔ وہ قرآن کے مقابل نہیں آنا چاہتا تھا اس کے
ساتھ ساتھ وہ مکہ اور استنبول کے حکام سے بہت خائف تھا اور کہتا تھا
اگر میں نے کعبہ کو ڈھا دیا اور نئے قرآن کی نگارش کی تو اس بات کا خطرہ ہے
کہ عثمانی حکومت ایک بڑی فوج میری سرکوبی کے لیے عربستان بھیجے اور ہم
اس سے پورے نہ اتر سکیں۔ میں نے اسکے عذر کو معقول سمجھا اور اندازہ لگایا

کہ اس دور کی سیاسی اور مذہبی فضا اس بات کی متقاضی نہیں ہے۔

محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کے برسوں بعد جب چھ نکاتی پروگرام کامیابی کی پوری منزلیں طے کر چکا تو نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت نے ارادہ کیا کہ اب سیاسی اعتبار سے بھی جزیرۃ العرب میں کوئی کام ہونا چاہیے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے عمال میں سے محمد بن سعود[1] کو محمد بن عبدالوہاب کیساتھ اشتراک عمل پر مامور کیا اور اس کام کے لیے محمد بن عبدالوہاب کے پاس خفیہ طور پر ایک نمائندہ بھی بھیجا تاکہ وہ اسکے سامنے حکومت برطانیہ کے مقاصد کی توضیح کرے اور "محمدین[2]" کے اشتراکِ عمل کی ضرورت پر زور دے اور تاکید کرے کہ دینی امور کے فیصلے کلی طور پر محمد بن عبدالوہاب کے ہاتھ میں ہونگے اور سیاسی امور کی

ہم نے نجد کے اطراف کی لڑکیوں سے شادیاں کیں۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ مسلمان عورتوں میں محبت، خلوص اور شوہر داری کی صفت واقعی حیرت انگیز اور قابل تعریف ہے۔ ہم ان رشتوں کے ذریعے اہل نجد کے ساتھ دوستی، ہم دلی اور تعلقات کو اور زیادہ مضبوط بنا سکے۔

اس وقت ہم انکے ساتھ اپنی دوستی کی معراج پر ہیں۔ مرکزی حکومت تمام جزیرۃ العرب میں اپنا اثر و نفوذ قائم کرنے میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اگر کوئی ناگوار حادثہ رونما نہ ہوا تو بہت جلد اسلامی سرزمینوں پر بکھیرے ہوئے یہ بیج تناور درختوں میں تبدیل ہو جائیں گے اور ہمیں ان سے اپنے مطلوبہ پھل حاصل ہوں گے۔